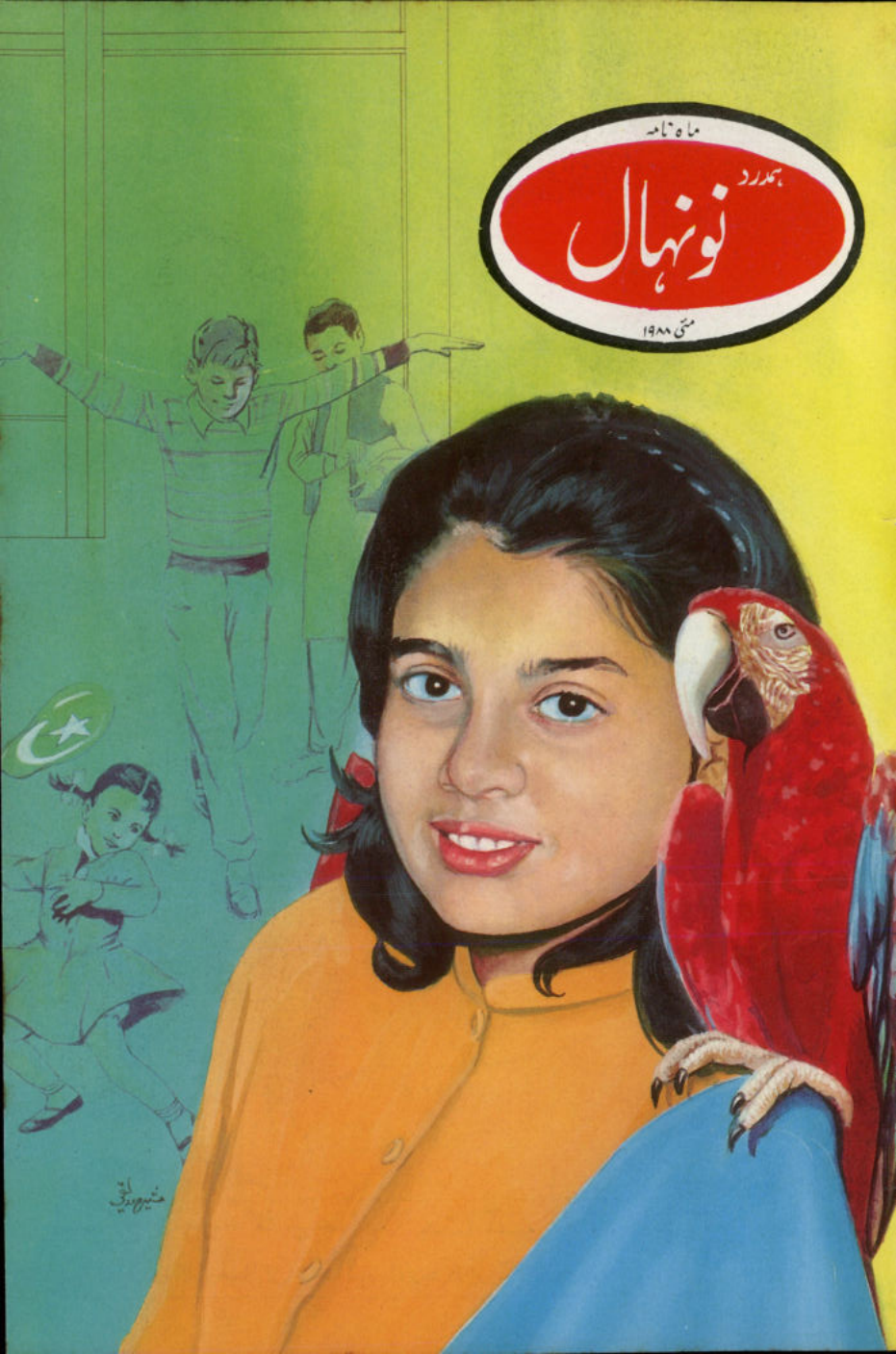

ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
مئی ۱۹۸۸

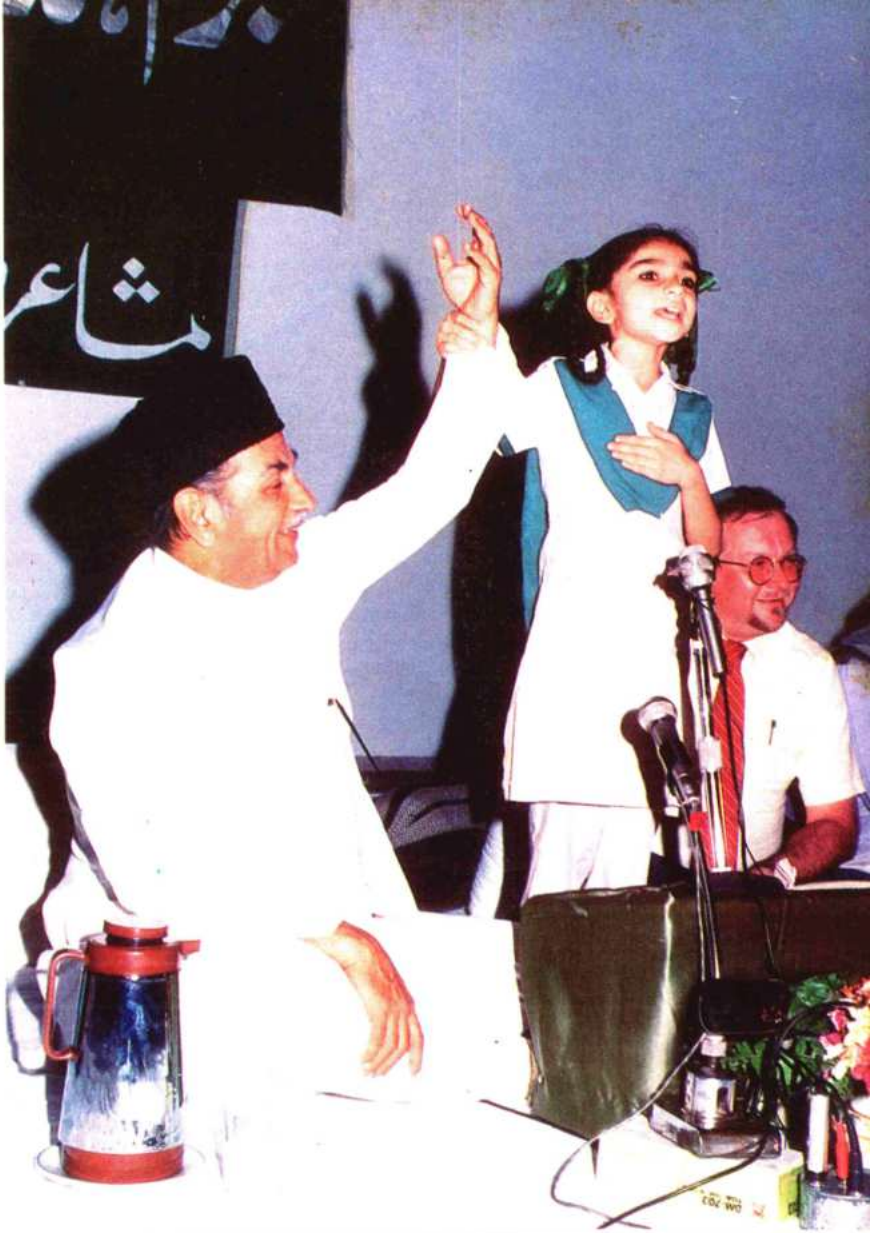

حکیم سعید کا پیغام : جاگو جگاؤ
نونہالوں کا اعلان : جاگیں اور جگائیں ہم قول سعید نبھائیں

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

# ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

## مجلس ادارت


| | |
|---|---|
| صدر مجلس | حکیم محمد سعید |
| مدیر اعلا | مسعود احمد برکاتی |
| مدیرۂ اعزازی | سعدیہ راشد |


ISSN 0259-3734

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔
ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ اللہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔


رمضان ۱۴۰۸ ہجری
مئی ۱۹۸۸ عیسوی
جلد ۳۶
شمارہ ۵

فی شمارہ ــــــ ۴ رُپے
سالانہ ــــــ ۴۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱ رُپے


پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

**UNION** INTRODUCES ANOTHER QUALITY PRODUCT

**TOFFEES**
REAL CHEWY CANDY

**UNION** The Biggest name in wholesome taste

Midas Khi

# اس رسالے میں کیا ہے


| | | |
|---|---|---|
| جاگو جگاؤ | جناب حکیم محمد سعید | ۵ |
| پہلی بات | مسعود احمد برکاتی | ۶ |
| عیدی کا مطالبہ (نظم) | جناب فیض لودھیانوی | ۷ |
| خیال کے پھول | ننھے گل چیں | ۸ |
| عید کا دن | جناب عتیق الرحمٰن صدیقی | ۹ |
| کرامت | جناب میرزا ادیب | ۱۱ |
| تحفے | باذوق نونہال | ۱۹ |
| طب کی روشنی میں | جناب حکیم محمد سعید | ۲۳ |
| سانپ | ماہین عارف | ۲۷ |
| جنگلی حیوانات | ڈاکٹر منظور احمد | ۲۹ |
| غیبی امداد | جناب علی اسد | ۳۳ |
| عید مناؤ (نظم) | جناب غنی دہلوی | ۴۰ |
| بند ڈبے کا راز | جناب مجیب ظفر انوار | ۴۱ |
| چور | جناب ابرار محسن | ۴۷ |
| مشاعرہ ہمدرد نونہال | جناب مرزا ظفر بیگ | ۵۱ |
| ہمدرد انسائکلوپیڈیا | جناب علی ناصر زیدی | ۵۹ |
| اخبارِ نونہال | نونہال صحافی | ۶۳ |
| معلومات عامہ ۲۶۵ | ادارہ | ۶۴ |
| ایک سائنسی نمائش | آنسہ نازیہ رمضان | ۶۵ |
| نیلی ریت کا جزیرہ | جناب معراج | ۶۹ |
| نونہال مصور | ننھے آرٹسٹ | ۷۷ |
| مسکراتے رہو | ننھے مزاح نگار | ۷۹ |
| بھول بھلکڑ | ناصر محمود خٹک | ۸۳ |
| صحت مند نونہال | ادارہ | ۸۷ |
| نونہال ادیب | ننھے لکھنے والے | ۸۹ |
| قارئین کی عدالت | نونہال پڑھنے والے | ۱۰۴ |
| معلومات عامہ ۲۶۳ کے جوابات (ادارہ) | | ۱۱۰ |
| اس شمارے کے مشکل الفاظ (ادارہ) | | ۱۱۲ |

# Crikket Crackers

## The light-tasting crackers

Peek Freans simply splendid

MNJ

# جاگو جگاؤ

میل محبت، خلوص و اُنس اور دوستی میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ پیار بھری مسکراہٹ میں جو لُطف ہے اس پر ہر دولت قربان کی جا سکتی ہے۔ دو انسانوں کے درمیان محبت اور بھائی چارا، انسانیت کی معراج ہے۔

اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہمارے پیارے آقا، نبیوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اپنے بھائی کے لیے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔" اگر ہم اپنے بھائی کے لیے کچھ اور نہیں کر سکتے تو یہ خوشی تو اس کو دے سکتے ہیں کہ مسکرا کر اس کے دل میں اعتماد اور اُنس کا جذبہ پیدا کر دیں۔ اسلام کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ کوئی حاکم نہیں اور کوئی محکوم نہیں۔ ہاں بس بڑا وہ ہے جو زیادہ نیک ہے، جو ایمان دار ہے، جو شریف ہے، جو محبت والا ہے، جو معاف کرنے والا ہے۔ ایمان والے ہر اُس انسان سے مل کر خوش ہوتے ہیں جو اللہ کا اچھا بندہ ہو۔ اچھا بندہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں سے پیار کرے۔ اسلام کی نگاہ میں سارے انسان اللہ کا کنبہ ہیں۔ سرکارؐ کی ایک اور حدیث ہے: "اللہ قیامت کے دن تمھارا حسب نسب نہیں پوچھے گا۔ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

رمضان اور عید دونوں ہمیں محبت کا، تعاون کا، ایک دوسرے کے لیے خوش ہونے اور خوشیاں پھیلانے کا پیغام دیتے ہیں۔ عید کے دن اپنے دوست، اپنے بھائی سے گلے ملو تو سارے شکوے شکایتیں بُھلا دو۔

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

# پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

رمضان آگئے۔ عید بھی آنے والی ہے۔ امتحانات سے اکثر دوستوں کو فرصت مل چکی ہے۔ خوب روزے رکھو۔ خوب پڑھو۔ خوب کھیلو، عید کی تیاری کرو۔ سچّی عید منانے کی تیاری کرو۔ ایسی عید جو سب کو خوشی دے اور سب بے فکر ہو کر اور دل سے ایک دوسرے کی بھلائی چاہ کر منائیں۔

ہمدرد نونہال میں تو نونہالوں کی دل چسپی بڑھتی جارہی ہے اور وہ اس کا زیادہ شوق سے مطالعہ کرتے ہیں، لیکن اپنی چیزیں بھیجنے میں محنت میں شاید انھوں نے کمی کر دی ہے۔ اب لطیفوں کو ہی لے لیجیے۔ نونہال جو لطیفے بھیج رہے ہیں ان میں مزہ نہیں آ رہا۔ ہاں ذرا چٹ پٹے لطیفے بھیجیں۔ اسی طرح اخبارِ نونہال کے لیے بھی ذرا عمدہ عمدہ تجربے اور معلومات ڈھونڈ کر لکھیں تاکہ بھیجنے والے کا نام بھی مدّت تک یاد رہے۔ خیال کے پھول چُننے میں بھی محنت کی ضرورت ہے۔

جولائی میں ان شاء اللہ خاص نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ آپ کو سال بھر تک انتظار رہتا ہے، اسی لیے ہر بار ہم یہی کوشش کرتے ہیں کہ خاص نمبر پہلے سے بھی اچھا ہو۔ ہم نے یوں تو دو مہینے سے تیاری شروع کر رکھی ہے لیکن اب جو دو مہینے باقی ہیں اُن میں ہمیں خاص نمبر کے علاوہ سب کچھ بھول جانا ہے۔ خاص نمبر میں جو لطیفے شائع ہوں گے، اُن میں سے پانچ بہترین لطیفوں پر ایک ایک کتاب انعام میں دی جائے گی۔

خاص نمبر کے بعد ہمدرد نونہال کی قیمت میں بھی ایک رُپے کا اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن نے بہت کوشش کی کہ قیمت میں اضافہ نہ کرنا پڑے، لیکن خسارہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کا بوجھ کم کیے بغیر بات نہیں بن رہی ہے، یقین ہے کہ ہمارے نونہال اس کو خوشی سے قبول کر لیں گے۔

# عیدی کا مُطالبہ

فیض لودھیانوی

عید مبارک آئی ہے　　سچّی خوشیاں لائی ہے
امّی ہم کو عیدی دو
عید ہنسانے والی ہے　　جیب ہماری خالی ہے
ابّا ہم کو عیدی دو




سارے روزے ختم ہوئے　　پہلے پیسے ہضم ہوئے
آپا ہم کو عیدی دو
عیدی ہے یہ بھیک نہیں　　ٹال کے جانا ٹھیک نہیں
بھیّا ہم کو عیدی دو
امّی کی ماں جائی ہو　　صرف سوّیاں لائی ہو
خالہ ہم کو عیدی دو




گھر میں گاڑی گھوڑا ہے　　جو کچھ بھی دو تھوڑا ہے
ماموں ہم کو عیدی دو
آج نہیں پڑھنے کا غم　　آج بڑے نواب ہیں ہم
نانی ہم کو عیدی دو
عُمدہ کپڑے پہنے ہیں　　کپڑوں کے کیا کہنے ہیں
نانا ہم کو عیدی دو
کنجوسی کو جانتے ہیں　　باتوں سے کب مانتے ہیں
دادی ہم کو عیدی دو
فیض کہاں انکاری ہے　　دولت سب کو پیاری ہے
دادا ہم کو عیدی دو

# خیال کے پھول

★ حضور اکرمؐ: جو شخص ذاتی خوشی اور فخر کے لیے علم حاصل کرتا ہے وہ دنیا سے جاہل اُٹھتا ہے۔

مرسلہ: سکندر خاں، پشاور

★ حضرت ابراہیمؑ: اللہ کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

مرسلہ: حسین احمد مدنی، جیوانی

★ حضرت لقمانؑ: اللہ اور موت کو کبھی نہ بھول۔ اپنی نیکی اور دوسروں کی بھلائی کو بھول جا۔

مرسلہ: شبانہ پروین، کراچی

★ حضرت عائشہ صدیقہؓ: سچائی کی مشعل جہاں بھی دکھائی دے، اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ یہ نہ دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے۔ مرسلہ: فہمینہ کوثر، کراچی

★ حضرت عمر فاروقؓ: غصّے میں ہرگز انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ مرسلہ: ساجد خاں، ماڈل کالونی

★ ارسطو: اگر کچھ سیکھنا چاہتے ہو تو تمھاری ہر غلطی تمھیں بہت کچھ سکھا سکتی ہے۔

مرسلہ: عبدالمقیط شیروانی، سامارو

★ سسرو: نیکی اور بدی میں تمیز کرنا انسان کی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔

مرسلہ: صدف ایوب، دہلی کالونی

★ ایمرسن: کام کرو اور تم میں قوت پیدا ہو جائے گی۔ مرسلہ: جے۔ آئی۔ ساغر، کراچی

★ گرو نانک: نادان لوگ دولت کے لیے دل کا چین گنوا دیتے ہیں اور دانا دل کا چین حاصل کرنے کے لیے دولت لُٹا دیتے ہیں۔

مرسلہ: مسرور شاہ، میاں ڈھیری

★ فریڈکلن: بے شک دیر تک سوچو لیکن سوچنے کے بعد جو فیصلہ کرو وہ اٹل ہو۔

مرسلہ: سید اصغر علی، لاڑکانہ

★ لینن: ذاتی لائبریری دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اور دماغی لائبریری بے بہا نعمت۔

مرسلہ: خانان دُرّانی، چمن

★ ٹینی سن: انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اُٹھانے کے باوجود خود کو پھول کی طرح ہلکا محسوس کرتا ہے۔

★ بلسنگر: جب میں کسی جاہل کو عمدہ لباس میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس لباس کی قسمت پر رونا آتا ہے۔

★ پرسل اسمتھ: مجھے ایک بستر اور اچھی کتاب دے دیجیے۔ میں ہر طرح سے خوش ہوں۔

مرسلہ: محمد شعیب احمد، اسلام آباد

★

# عید کا دن

عتیق الرحمٰن صدیقی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے دیکھا کہ مدینے کے لوگوں نے سال میں دو دن مقرر کر رکھے ہیں جن میں وہ کھیل تفریح کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے اِن دو دِنوں میں کھیل تفریح کرتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ یہ سُن کر نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا، "اللہ نے ان دو دنوں کے بدلے میں ان سے زیادہ بہتر دو دن مقرر فرمائے ہیں۔ ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کا دن۔" عید الاضحیٰ کا دن اس لیے کہ یہ دراصل اس عظیم قربانی کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر اس کے حضور پیش فرمائی تھی۔ اور عید الفطر کا دن اس لیے کہ یہ اسلام کی آمد اور قرآن مجید کے نزول کی یادگار ہے۔

عید الفطر مومن کی خوشی کا دن ہے۔ مومن کا خوشی منانے کا انداز بھی نرالا ہے۔ جونہی یہ دن طلوع ہوتا ہے وہ نہاتا ہے عمدہ کپڑے پہنتا ہے اور اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتا ہوا عیدگاہ کی جانب چل پڑتا ہے اور مسرت کے ولولوں کے ساتھ دوگانہ ادا کرتا ہے۔ اللہ کے حضور کُھلے میدان میں اپنی نجات اور فلاح کی دُعا کرتا ہے۔ اپنوں اور پرایوں سے گلے ملتا ہے اور چھوٹوں سے پیار کرتا ہے۔ وہ خوشی میں آپے سے باہر نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کے مالک نے اُسے ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسے اپنے اللہ کا یہ حکم یاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ دیا ہے اُس پر اِترا ؤ مت، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شیخی بگھارنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" وہ آج کے دن اس عظیم احسان پر خوش ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر کیا۔ اگر وہ قرآن نازل نہ کرتا تو انسان گمراہیوں میں بھٹک رہے ہوتے۔ وہ خوشی منا کر دراصل اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اس توفیق پر ناز کرتا ہے، جو اُسے ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے اور تسبیح پڑھنے کے لیے میسّر آئی۔ اس دن خوشی کے اظہار کے لیے عمدہ لباس پہننا اور خوش بُو لگانا ہمارے پیارے نبیؐ کی سنت ہے۔ حضور اکرمؐ

نے اس موقع پر خوشی اور مسرت کے گیتوں اور جائز کھیلوں کو بھی پسند فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کے دن ان کے پاس دو عورتیں اشعار گا رہی تھیں، جو انھوں نے بعاث کی لڑائی کے بارے میں کہے تھے۔ اسی حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائے اور خفگی کا اظہار کیا، مگر رسولِ اکرمؐ نے فرمایا،

"اے ابوبکر! ہر قوم کے لیے عید کا ایک دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید کا دن ہے۔" حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ایسے اشعار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جن میں مذہب اور اخلاق کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حبشی لوگ عید کے دن فوجی کرتب دکھاتے تھے اور رسول اللہؐ اس کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو یہ تماشا دکھایا۔ مسرت اور خوشی کے اس طریقے کو ظاہر کرنے کا نام تقلیس تھا، جس کے معنی دف بجانے، گانے اور دل چسپی کے لیے شمشیر بازی، نیزہ بازی وغیرہ کے کھیل تماشے دکھانے کے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو کسی جگہ عید کے دن مسرت کے اظہار کا یہ طریقہ نظر نہ آتا تو وہ اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے۔

# کرامت

میرزا ادیب

آج سے پچاس برس پہلے اس گاؤں میں صرف ایک عطّار ہوتا تھا اور وہی ہر قسم کے مرض کا علاج کرتا تھا۔ جس کی بیماری ذرا بھی پیچیدہ ہوتی تھی وہ تھوڑی یا زیادہ مدّت بعد مَر جاتا تھا۔ یہاں دُور دُور تک کوئی ڈسپنسری نہیں تھی، لیکن اب اس گاؤں میں جاکر دیکھیں تو یہاں ایک شان دار اور جدید قسم کا ہسپتال نظر آتا ہے جس میں علاج کے لیے نئی مشینیں بھی ہیں۔ مستند حکیم ڈاکٹر بھی اور نرسیں بھی۔ یہ ہسپتال کیسے تعمیر ہوا اور کس کی کوششوں سے تعمیر ہوا۔ یہ ایک دل چسپ کہانی ہے اور اگر کوئی یہ کہانی سننا چاہے تو گاؤں کے کئی بوڑھے بتا سکتے ہیں کہ اس کہانی کے بڑے بڑے واقعات کیا ہیں اور اس ہسپتال نے اتنی ترقی کیسے کی ہے؟

یہ ہسپتال قادر ہسپتال کہلاتا ہے۔ گاؤں کا نام قادر پور ہے اور یہ بڑا پُرانا گاؤں ہے۔ نہ جانے کس زمانے میں کسی قادر نامی شخص نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

اس ہسپتال کی کہانی کچھ یوں بیان کی جاتی ہے۔

انسانی آبادی جہاں کہیں بھی ہوگی ظاہر ہے وہاں بیماریاں بھی ہوں گی۔ ان بیماریوں کا علاج بھی ہوتا ہوگا۔ کچھ مریض صحت یاب ہو جاتے ہوں گے اور کچھ مَر بھی جاتے ہوں گے، مگر قادر پور میں علاج معالجے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔ جو شخص بھی کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہوتا تھا وہ مَر جاتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ بہ یک وقت کئی مریض چل بسے۔ عطار ان کی بیماریاں سمجھ ہی نہ سکا۔ اس نے جو دوائیں دیں وہ بے کار ثابت ہوئیں۔ اس گاؤں میں ایک چھوٹا سا کنبہ بھی رہتا تھا جس کے تین افراد تھے۔ ایک مرد اس کی بیوی اور ان کا اکلوتا بیٹا۔ مرد کسان تھا، جس کا ایک کھیت تھا۔ اس کھیت سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے اس کنبے کی پرورش ہوتی تھی۔ کسان کی بیوی کھیتی باڑی میں مدد دینے کے علاوہ گھر کا سارا کام بھی کرتی تھی۔ لڑکے

کا نام کرامت تھا۔ کرامت کا صرف ایک کام تھا۔ اُسے کھیتی باڑی سے کوئی دِل چسپی نہیں تھی۔ سارا وقت اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل کُود ہی میں گزار دیتا تھا۔ اگر کھیل کُود میں حصّہ نہیں لیتا تھا تو آوارہ گردی کرنے لگتا تھا یا ایک دو دوستوں کو گھر پر بُلا کر ان سے گپّیں ہانکتا رہتا تھا۔ کرامت کے ماں باپ اسے سمجھاتے سمجھاتے تنگ آچکے تھے۔ وہ ان کی نصیحتیں ایک کان سے سنتا تھا اور دوسرے کان سے نکال دیتا تھا۔

تنگ آکر انھوں نے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا کہ جو دِل میں آئے کرتا پھرے۔ کسی کام کاج کے لائق تو ہے نہیں۔

کرامت کو ذرا سنجیدہ اس وقت دیکھا گیا جب اس کا ایک دوست جو اس کے گھر کے قریب رہتا تھا، مر گیا تھا۔ عطار نے اس کا علاج کیا۔ دوائیں دیں، مگر لڑکے کا مرض بڑھتا ہی گیا اور تین ماہ بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کرامت اپنے ایک پرانے دوست سے محروم ہو گیا تھا اور اس واقعے سے اس کے دل پر چوٹ لگی تھی۔

دوسری مرتبہ اسے صدمہ اس روز ہوا جس روز اس کی سگی پھوپھی نے جو اس سے بہت پیار کرتی تھی، دو دن بیمار رہ کر اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر لیں۔ کرامت کی ماں کو کھانسی کی پُرانی شکایت تھی۔ یہ کھانسی کبھی بڑھ جاتی تھی اور کبھی کم ہو جاتی تھی۔ کھانسی زیادہ ہو جاتی تھی

تو وہ زیادہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتی تھی۔ تھوڑی سی کھانسی کی تو کبھی اس نے پروا ہی نہیں کی تھی۔ بہ دستور صبح سے لے کر رات تک کام میں جُتی رہتی تھی۔ انھی دِنوں اس کی شکایت بڑھ گئی۔ رات دن کھانسی ہونے لگی۔ مصیبت یہ ہوئی کہ کھانسی کے ساتھ خون بھی آنے لگا۔ اور ایک روز تو اس کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ گاؤں کے ایک سیانے نے کہا کہ اسے شہر کے ہسپتال میں لے جاؤ۔ ورنہ یہ مَر جائے گی۔

گاؤں میں دو تین تانگے تھے اور یہ تانگے صبح ہوتے ہی لاری اڈّے پر چلے جاتے تھے اور سواریوں کو وہاں سے گاؤں میں لے آتے تھے۔ جس روز کرامت کی ماں کی حالت بڑی نازک تھی گاؤں میں کوئی تانگا نہیں تھا۔ وہ لاری اڈّے سے سواریوں کو لے کر ذرا دُور چلے گئے تھے۔ کئی گھنٹوں بعد ایک تانگے کا انتظام ہو سکا۔ مریضہ کو اس میں بڑی مشکل سے لٹایا گیا۔ تانگہ آہستہ آہستہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گاؤں سے شہر کا فاصلہ دس میل سے کم نہیں تھا۔ راستہ ناہموار تھا۔ مریضہ کو کئی بار دھچکے لگتے تھے۔ کرامت جو تانگے میں ماں کا سر اپنی گود میں لیے بیٹھا تھا بار بار کپڑے سے ماں کے منھ سے نکلتا ہوا خون پونچھتا تھا۔ شام کے وقت کہیں جا کر تانگا ہسپتال کے دروازے پر پہنچا۔ کرامت، اس کے باپ اور ماموں نے مریضہ کو اُٹھا کر اندر لے جانے کی کوشش کی تو اس کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ کرامت کی ماں ہسپتال پہنچنے سے کچھ پہلے ہی مر چکی تھی۔

نعش جب گھر لائی گئی تو آدھی رات بیت چکی تھی۔ کرامت کا دوست مَرا تھا تو وہ زور زور سے رویا تھا اور پھوپھی کے مرنے پر تو اس کے آنسو ہی تھمتے نہیں تھے، مگر ماں مری تو وہ چُپ چاپ ماں کی پائنتی کے پاس بیٹھ گیا اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک میّت گھر سے نکل نہیں گئی۔

اس حادثے نے کرامت سے ساری شوخی اور کھلنڈرا پن چھین لیا تھا۔ وہ زیادہ وقت گھر ہی میں بیٹھا رہتا تھا۔ کوئی دوست آتا تو اس کے ساتھ بے دلی ہی سے باتیں کرتا تھا اور اس کے جاتے ہی چارپائی پر لیٹ جاتا تھا۔ باپ سخت اصرار کرتا تو چند لقمے کھا لیتا ورنہ بھوکا ہی پڑا رہتا۔

دو ماہ بعد اس کا باپ بھی نہ رہا۔ باپ نے بیٹے کی نالائقی دیکھ کر بسترِ مرگ پر اپنا کھیت اپنے ایک عزیز کسان دوست کے حوالے کر دیا تھا کہ اس کی آمدنی وہ کرامت کو دیتا رہے جس سے اُس کا گزارا ہوتا رہے۔

چند روز سے جو دوست بھی اُس کے ہاں آتا تھا وہ اُس سے یہ سوال ضرور پوچھتا تھا، "میری ماں کیوں مَر گئی؟"

جو بھی سنتا یہی جواب دیتا، "اس کی موت آ گئی تھی، مَر گئی بے چاری اور کیا؟"

یہ جواب سُن کر وہ اپنا سر جُھکا لیتا تھا اور پھر عام طور پر بولتا نہیں تھا۔ ایک دوست نے جب اس سے یہ سوال سُنا تو پوچھا،

"کرامت، تم کیا سمجھتے ہو کہ تمھاری ماں کیوں مَر گئی ہے؟"

کرامت بولا، "گاؤں کے لوگ اس لیے مَر جاتے ہیں کہ یہاں علاج نہیں ہو سکتا۔ میری ماں بھی اسی وجہ سے مَر گئی؟"

"تقدیر کا لکھا ہوا کوئی نہیں مٹا سکتا۔" گاؤں کے ایک بزرگ نے کہا۔
"موت کو کوئی نہیں روک سکتا۔" اس کے ایک دوست کے باپ نے کہا۔
کرامت نے یہ فقرے سُنے تو کہنے لگا، "آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو بیمار ہو اس کا علاج نہ کیا جائے؟"
"علاج تو ہوتا ہے۔" کسی نے کہا۔
"یہ علاج نہیں ہے۔ میری ماں زندہ ہسپتال میں پہنچ جاتی تو شاید نہ مرتی۔"
جس نے بھی یہ بات سُنی اُس نے کرامت کی تردید ہی کی۔
"تو تم کہو! کیا چاہتے ہو؟" ایک شخص نے اس سے سوال کیا۔
"میں ہسپتال بنوانا چاہتا ہوں۔"
سننے والے نے یہ لفظ جس جس کو سُنائے وہ بے اختیار ہنس پڑا، مگر کرامت نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ گاؤں میں ہسپتال بنا کر ہی چھوڑے گا۔
وہ شہر کے ہسپتال میں گیا۔ وہاں حُسنِ اتفاق سے اس کی ملاقات ایک نیک دل ڈاکٹر سے ہو گئی، جس کا نام اکرم خاں تھا۔ اکرم خاں نے اسے سمجھایا کہ وہ سب سے پہلے ایک چھوٹے سے مکان کو ہسپتال بنا لے اور جب بن جائے تو اسے اطلاع دے۔ وہ اس کی ہر طرح مدد کرے گا۔
کرامت نے شہر سے واپس آتے ہی اپنا سارا سامان کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں رکھ دیا۔ اپنا مکان بالکل خالی کر دیا۔ اپنا کھیت بیچ دیا۔ اس سے جو رقم ملی وہ شہر جا کر ڈاکٹر اکرم خاں کے حوالے کر دی۔ کرامت کا یہ جذبہ دیکھ کر ڈاکٹر بہت خوش ہوا۔
"تو کرامت اب تم کیا کرو گے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔
"میرے ایک دوست نے کہا ہے کہ تم روٹی ہمارے ہاں کھا لیا کرنا۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے ڈاکٹر صاحب، ہسپتال بن جائے تو میری سب سے بڑی خواہش پوری ہو جائے گی۔"
ڈاکٹر اکرم خاں نے اس رقم سے ضروری دوائیں خریدیں اور انھیں کرامت کے

گھر پہنچا دیا۔ وہ خود دوسرے تیسرے روز گاؤں میں آجاتا تھا اور جو مریض وہاں آجاتے تھے وہ ان کا علاج کر کے پرہیز کی تاکید بھی کر دیتا تھا۔ اکثر مریض صحت یاب ہو جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ مریضوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ وہاں ایک ایسے ڈاکٹر کی ضرورت تھی جو زیادہ وقت وہاں رہے۔ رات میں کسی بیمار کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے تو اس کے گھر بھی جائے۔

کرامت چاہتا تھا کہ ڈاکٹر اکرم خاں شہر چھوڑ کر گاؤں آجائے، مگر اس کی تنخواہ اور رہائش کا بندوبست بہت ضروری تھا۔ کرامت کے پاس جو کچھ تھا وہ دواؤں اور دوائیں رکھنے کے لیے الماریاں بنوانے میں خرچ ہو چکا تھا۔

اب اس نے یہ کیا کہ پہلے تو گاؤں کے خوش حال لوگوں سے چندہ مانگا۔ جو مریض صحت یاب ہو چکے تھے وہ جو کچھ دے سکتے تھے وہ انھوں نے خوشی سے دے دیا۔ یہ رقم بہت کم تھی۔

کرامت بار بار شہر جانے لگا۔ وہاں دن رات چندہ جمع کرنے لگا۔ اس رقم سے اس نے ڈاکٹر کے لیے ایک اچھے مکان کا بندوبست کیا۔ اپنا گھر گرا کر ایک کشادہ عمارت تعمیر کروالی۔ ہسپتال بنوانے کی دُھن اس کے سر پہ اس طرح سوار تھی کہ اس

کے سوا اسے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ نہ اسے تن کا ہوش تھا نہ من کا۔ ایک ایک پیسہ ہسپتال کے لیے بچاتا تھا۔

چالیس برس تک اس کی کوشش جاری رہی۔ ہسپتال کی عمارت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ڈاکٹر اور نرسیں بھی شہر سے آتی گئیں۔ اور آج اس گاؤں میں ایک ایسا شان دار ہسپتال نظر آتا ہے کہ لوگ دُور دُور سے اسے دیکھنے کے لیے آتے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف ایک شخص کی کوششوں سے ایسا ہسپتال کیسے تعمیر ہو گیا۔

یہ قادر ہسپتال ہے۔

لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ اس کا نام کرامت ہسپتال رکھا جائے، مگر کرامت نہ مانا۔ وہ کہتا تھا، "میں اپنی تعریف نہیں چاہتا۔ یہ قادر پور کا ہسپتال ہے۔ اس لیے اس کا نام قادر ہسپتال ہی مناسب ہے۔"

قادر ہسپتال کے پیچھے ڈاکٹروں اور نرسوں کے لیے کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا مکان بھی ہے۔ یہ وہی مکان ہے جسے کرامت نے اپنا مکان بیچ کر کرائے پر لیا تھا اور جس میں اس کا پرانا سامان پڑا ہے۔ بڈھا کرامت انتہائی سادگی سے اس مکان میں رہتا ہے۔ دن رات ہسپتال کی نگرانی کرتا ہے اور وہ جب بھی ہسپتال کی طرف جاتا ہے راستے میں ہر شخص بڑے ادب اور احترام سے اُسے سلام کرتا ہے۔ ہسپتال کے اندر مریضوں کو معلوم ہوتا ہے کہ میاں جی آئے ہیں تو سب کے چہروں پر رونق سی آجاتی ہے۔ اب وہ کرامت کے بجائے میاں جی کہلاتا ہے۔ یہ ہسپتال میاں جی کی کرامت تھا۔

---

- جس پر نصیحت اثر نہ کرے اس کا دل ایمان سے خالی ہوتا ہے۔
- توبہ کرنا آسان ہے۔ گناہ کو چھوڑنا مشکل کام ہے۔
- گلے شکوے سے زبان بند رکھو راحت نصیب ہو گی۔
- بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے دِلوں کے اندر اُتر کر ان کے دُکھ کا اندازہ کر لے۔

مرسلہ۔ عنبرین جمیل وارثی، کراچی

# اِک نیا معیار
# ڈیزائن بیشمار

## گولڈ فِش ڈیلکس پینسل

# Goldfish
## DELUXE PENCIL

بین الاقوامی معیار کے مطابق دیدہ زیب
ڈیزائنوں میں اپنی نوعیت کی واحد
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل۔
دیکھنے میں دلکش استعمال میں بہترین
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل

ہر دکان/اسٹور اور اسٹیشنرز سے
دستیاب ہے۔

شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ای - ای - کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

# تحفے

## صحبت کی تاثیر

ایک روز میرے ایک دوست نے میری ہتھیلی پر خاک رکھ دی اور کہا: "اسے سونگھو۔" اسے سونگھا تو مشک عنبر سے زیادہ خوشبودار پایا۔

میں نے کہا، "اے خاک! تجھ میں یہ خوشبو کیسی؟"

جواب ملا، "میں ناچیز خاک سہی مگر مدتوں پھول کے ساتھ رہی ہوں۔" (شیخ سعدیؒ)

مرسلہ: شبنم بشیر، جڑانوالہ

## ماں

میں ایک چمن میں گئی۔ تازہ پھولوں پر شبنم کے قطرے ہوا کے مست جھونکوں سے جھرک رہے تھے۔ میں نے پوچھا، "ماں کیا ہے؟"

شبنم نے کہا: ماں میری طرح ٹھنڈک مزاجی کا نام ہے۔

پھولوں نے کہا: ماں میری طرح ہنستی مسکراتی شگفتگی کا نام ہے۔

میں نے کہا: ماں اس تقدس کا نام ہے جو کبھی آلودہ نہیں ہو سکتا۔

مرسلہ: فوزیہ منیر آرائیں، شہداد پور

## تقاضے فنِ گفت گو کے

۱۔ گفت گو کرتے وقت آواز بلند نہ ہو اس طرح انسان کی قوتِ سماعت متاثر ہوتی ہے۔ اور بہت مدھم نہ ہو کہ آپ کے ساتھی کو سننے میں تکلیف ہو۔

۲۔ کسی بات پر خوش ہو کر اپنے ساتھی کے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی عادت سے احتراز کیجیے۔ کسی گھر کے دروازے کے سامنے یا گلی کے کونے پر کھڑے ہو کر زیادہ دیر تک گفت گو نہ کیجیے۔

۳۔ کسی راہ جاتے شخص کی طرف اُنگلی سے اشارہ کر کے بات نہ کیجیے۔

۴۔ بولتے وقت اپنا مُنھ اپنے ساتھی کے اتنا قریب نہ رکھیے کہ اُسے آپ کا سانس محسوس ہو۔

۵۔ دورانِ گفت گو تھوکنا، جمائی لینا یا ناک صاف کرنا بہت معیوب ہے۔

۶۔ جب آپ کا ساتھی بول رہا ہو تو اس کے چہرے پر ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھیے۔ اس سے وہ اپنی بات کھل کر بیان کرنے سے ہچکچائے گا۔

۷۔ دورانِ گفت گو اپنی پیشانی کو کبھی شکن آلود نہ ہونے دیجیے۔

۸۔ "پہلے تولو اور پھر بولو" کا سُنہرا مقولہ آج بھی اتنا ہی قابلِ عمل ہے جتنا مدتوں پہلے تھا۔

مرسلہ: مٹھو بھائی، بھاول پور

## کہانی کی کہانی ۔ ایک حقیقت افروز انشائیہ

میں انسان کے خیالوں میں بستی ہوں، اس کے خوابوں میں کروٹیں لیتی ہوں اور خوابوں کی تہوں میں سوتی رہتی ہوں۔ قدرت نے سات رنگ بنائے ہیں، میں انھی رنگوں سے ہزار رنگ میں تبدیل ہوتی رہتی ہوں۔ اظہار میری زبان ہے اور پیرایہ میرا لباس۔ یہ لباس اگر خوب صورت ہو تو میری دل کشی بن جاتا ہے اور سپاٹ ہو تو مجھے کھُردرا بنا دیتا ہے۔ میں ذہن کے اُفق پر کھڑی رہتی ہوں مگر قلم کی ٹھیس لگتے ہی نکر کے زینے سے کاغذ کی چھت پر اُتر آتی ہوں۔

(قمر ہاشمی) مرسلہ: عذرا ظہیر، کراچی

## فرماتے ہیں

"فرماتے ہیں" کا ایک فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ کبھی کبھی اس کے استعمال سے آپ دوسرے کو متاثر کر سکتے ہیں۔ سگرٹ نوشی کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں تو فوراً کہہ دیجیے کہ لارڈ کرزن فرماتے ہیں کہ سگرٹ پینے سے تو بہتر ہے کہ انسان زہر پی لے۔ یوں ہی کسی کا نام لے کر جو جی میں آئے کہہ دیجیے۔ سوجھاں کچھ شبہ ہو اور نام یاد نہ آتا ہو تو وہاں فوراً شیکسپیئر کا نام لے دیجیے۔ کسی کی کیا مجال کہ آپ کو ٹوک دے۔ شیکسپیئر نے دنیا کے ہر عنوان پر کچھ نہ کچھ ضرور فرمایا ہے۔ ان کا نام بلا تامل لے سکتے ہیں۔ اگر حساب لگایا جائے تو سب سے زیادہ شیکسپیئر صاحب فرماتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر سعدی صاحب اور تیسرے نمبر پر گوئٹے، کنفیوشس اور نطشے آتے ہیں۔

(شفیق الرحمٰن)

مرسلہ: محمد اکرم سیالوی، وکیل والا

## انسان

انسان اگر بدی، درندگی اور شیطانیت پر اُتر آئے تو ابلیس بھی شرما جائے اور شرم سے اپنا مُنہ چھُپا لے اور اگر وہ نیکی و پارسائی اور انسانیت پر کمربستہ ہو جائے تو فرشتے بھی انگشت بدنداں رہ جائیں اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

انسان، جو کبھی ہوسِ اقتدار میں بدمست ہو کر کبھی طاقت کے بَل بُوتے پر لاکھوں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتا ہے، کروڑوں کو مصائب سے دوچار کرتا ہے، کبھی اپنے ہی جیسے انسانوں کی آزادی کو پامال کرتا ہے اور انھیں غلامی کا طوق پہننے پر مجبور کرتا ہے، کسی کو بے بس، مجبور اور ناچار دیکھ کر خوش ہوتا ہے، کبھی ہوسِ دولت میں مُبتلا ہو کر اپنے ہی جیسے انسانوں کو روٹی کا محتاج بنا دیتا ہے، تو کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر ہنستے بستے گھر اُجاڑ دیتا ہے۔ غرض انسان درندگی، بد دیانتی اور بے ایمانی کرتا ہے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ ایمان داری، شرافت، انسانیت، پاک بازی اور پارسائی دِکھاتا

ہے تو فرشتے بھی رشک کرتے ہیں اور بقول شخصے کہ اگر دامن نچوڑتا ہے تو فرشتے بھی وضو کرنے لپکتے ہیں۔ مرسلہ: عبدالرشید ابراہیم اور حافظ محمد حنیف، باڈہ

## ناز و انداز

بس کا سفر: آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی۔

پانی: جس کی قیمت دودھ میں ڈال کر معلوم کی جاتی ہے۔

حُقّہ: دس سگرٹ، ایک ہی کش میں۔

زبان: بغیر پٹرول کے چلتی ہے۔

بُڑھاپا: جو آ کے نہ گیا وہ بڑھاپا دیکھا۔

وقت کی پابندی: اگر ہم سب صحیح معنی میں اس کی پابندی کریں تو افسوس کہ کوئی بھی شخص ہماری "پابندیِ وقت" کی تعریف نہیں کرے گا۔

مرسلہ: حامد علی شاہد، لاڈہ

## اتحاد

ایک لہر کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ تنہا اُچھل کر کنارے پر آئے تو ریت میں جذب ہو کر رہ جائے، لیکن جب یہی موجیں مل جُل کر ایک رُخ پر سیلاب کی شکل میں بہنا شروع کر دیتی ہیں تو بڑے بڑے مضبوط بند توڑ کر آگے بڑھ جاتی ہیں۔ اس بات کو علامہ اقبال نے یوں کہا ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

مرسلہ: عدنان عباس، کراچی

## اقوالِ زرّیں

- محنتی کا ہاتھ اُسے کبھی نہ کبھی دولت مند بنا دیتا ہے (حضرت علیؓ)
- انسان کا سب سے بڑا خزانہ صحت ہے۔ ایک طاقت ور موچی بیمار بادشاہ سے بہتر ہے۔ (بیکر)
- دوستی کی زبان کے الفاظ نہیں ہوتے لیکن معنی ہوتے ہیں۔ (تھوریو)
- بہترین حکومت وہ ہے جو حکومت نہ کرے بلکہ خدمت کرے۔ (ہنری فورڈ)
- دولت، محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (لاک)

مرسلہ: عدنان عباس، کراچی

## سچّی باتیں

- بیداری سے مدد نہ لینے والے محافظوں کی نگہ بانی سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔
- جو تمھارے سامنے دوسروں کی بُرائی کرتا ہے، وہ دوسروں کے سامنے تمھاری بُرائی بھی کر سکتا ہے۔
- جس نے لالچ کو اپنی عادت بنا لیا، اُس نے خود کو حقیر و ذلیل کر دیا۔
- دوستی میں شُبہ زہر ہے۔

تقدیر بہت کم تدبیر کا ساتھ دیتی ہے۔

مرسلہ: محمد نعیم خان شاکر نیازی، کالاباغ

## تعلیم

تعلیم یہ نہیں کہ جامد ذہن کے ساتھ حافظے کے تہ خانوں میں معلومات کے انبار بھر لیے جائیں،

بلکہ تعلیم یہ ہے کہ ذہن تجسّس اور تلاش کرنے کا عادی ہو جائے اور اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر آدمی ہر معاملے میں اپنی رائے دے سکے۔
مرسلہ: شہلا نورین، گورنمنٹ کالج، جہلم

## طالبِ علم

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تُو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں
(اقبالؔ)

مرسلہ فاطمہ سجادؔ، لاہور

## خوش نصیب

حضورِ اکرمؐ کے نزدیک خوش نصیب وہ ہے جس کے پاس علم ہو اور وہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔
حضرت علیؓ کے نزدیک خوش نصیب وہ ہے جس کے پاس ہُنر ہو اور وہ اُس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائے۔

مولانا رومؔ کے نزدیک خوش نصیب وہ ہے جو اپنے والدین کی خدمت کو عظمت سمجھے۔
ٹینی سن کے نزدیک خوش نصیب وہ ہے جو اپنے اندر خود اعتمادی، خود شناسی اور خود ضبطی پیدا کرے۔
حکیم محمد سعید کے نزدیک خوش نصیب وہ ہے جو مایوسی کو کُفر سمجھ کر ہمیشہ ہمت سے کام کرے۔
میرے نزدیک خوش نصیب وہ ہے جس کی تحریر نونہال میں شائع ہو۔ مرسلہ: افشاں تبسم، کراچی

## بے عیب

میں نے تمھارے متعلق بہت کچھ پڑھا، پہیلیاں بوجھیں۔ مجھے تمھاری خوب صورتی کا اندازہ بے مثل تحریروں سے ہوا۔ مجھے بہت شوق تھا کہ تمھیں قریب سے دیکھوں۔ جب تمھیں دیکھنے کی خواہش نے میرے دل میں بہت زیادہ سر اُبھارا تو ایک دن امی سے اجازت لے کر میں تمھیں دیکھنے جا پہنچی۔ بڑی تلاش کے بعد تم نظر آئے۔ میں نے دیکھا کہ تم اپنا وجود پھیلائے کھڑے ہو۔ مجھے دیکھ کر تم اس قدر خوش ہوئے کہ ناچنے لگے۔ پھر تمھاری نظر تمھاری اپنی ہی ایک بدصورت چیز پر پڑی۔ تم صدمے کے مارے ساکت رہ گئے۔ پھر تم نے مجھے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ میں نے تمھاری آنکھوں میں جھانکا جہاں کچھ محرومیوں اور خوشیوں کے مِلے جُلے جذبات تھے۔ میرے منھ سے بے ساختہ نکلا، "اے اچھے مور! اللہ نے دُنیا میں جتنی مخلوق پیدا کی سب میں کوئی نہ کوئی عیب بھی دیا ہے۔ یہ عیب اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کی ذات سے کوئی بالا نہیں۔ بے عیب صرف اُسی کی ذات ہے۔ مرسلہ: نگہت ذاکر، کراچی

## اندازِ بیاں

ہیں اور بھی دنیا میں سُخن وَر بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

سوال و جواب

حکیم محمد سعید

# طب کی روشنی میں

## گہری نیند — کچی نیند

س: کچھ لوگ اتنی گہری نیند سوتے ہیں کہ اگر ان کے سر پر ڈھول بھی بجاؤ تو وہ تب بھی نہیں اُٹھتے۔ کچھ لوگ بہت کچی نیند سوتے ہیں۔ ذرا سی آہٹ سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ذکیہ ایوب، نیو کراچی

ج: ہر انسان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اپنے جسم اور دماغ کی اپنی ساخت ہوتی ہے۔ بعض لوگ نیند کی ایسی گہرائی میں چلے جاتے ہیں کہ ڈھول تاشے بھی انھیں بیدار نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس بہت سے لوگ نیند کی گہرائیوں میں نہیں جاتے۔ یہ کوئی طبّی مسئلہ نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو لوگ زبردست گہری نیند سوتے ہیں وہ اچھے ذہن کے نہیں ہوا کرتے۔

## چہرے پر بال

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ میرے چہرے پر بال بہت زیادہ ہیں جو بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں۔ ز۔ن، فیصل آباد

ج: بال خاص قسم کی جڑوں، گلٹیوں میں سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب ایک بار یہ گلٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو ہمیشہ قائم رہتی ہیں اور بال اُن سے ضرور نکلتے ہیں۔ اُن سے نجات کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ پلاسٹک سرجری سے جلد کو ہی بدل دیا جائے، مگر ایسا کرنا آسان کام نہیں ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ نونہال جب بڑے ہوتے ہیں تو شوق میں ریزر سے اُلٹا سیدھا شیو

کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے جو خراش ہوتی ہے وہ جلد کو تحریک دیتی ہے اور گلٹیوں کے وجود کا سبب بن جاتی ہے اور بال زیادہ اور سخت پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب تو آپ یہ حرکت کر بیٹھے ہیں۔ میں تو اس کا کوئی حل بتا نہیں سکتا۔ آپ کی تکلیف سے دوسرے نونہالوں کو سبق لینا چاہیے۔

## دانتوں اور ڈاڑھ میں درد

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ اکثر ڈاڑھوں اور دانتوں میں درد ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز کھاتا ہوں تو تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ ازراہِ کرم اس کا علاج بتائیے۔

شعیب الرحمٰن، سکھر

ج: انسانی جسم میں دانت بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ دانت نہ ہوں تو غذا کیسے چبے اور کیسے ہضم ہو۔ پھر دانت جن مسوڑھوں میں پیوست ہیں اُن پر پوری توجہ دینی چاہیے، کیوں کہ اگر یہ کم زور ہو گئے تو دانت ہل جائیں گے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں گے، مثلاً گرم اور ٹھنڈی چیزیں لگیں گی اور درد ہو گا۔ اور اگر ان مسوڑھوں میں پیپ پڑ گئی، جیسا کہ اکثر بچّوں بڑوں کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ پیپ خون میں جذب ہو ہو کر جسم میں پھیل جاتی ہے اور طرح طرح کے امراض لگ جاتے ہیں۔ مثلاً جوڑوں کا درد، گردوں کی خرابیاں وغیرہ۔

دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اُن کی صفائی سے ہو سکتی ہے۔ کھانے کے بعد دانتوں کی ریخوں میں اگر گوشت اور غذا کے ریشے اٹک گئے ہیں تو اُن کو صاف کرنا ضروری ہے ورنہ یہ سڑ کر مُضر جراثیم پیدا کر دیں گے۔ ہر کھانے کے بعد دانتوں اور مسوڑھوں کو صاف کرنا چاہیے۔ خصوصاً رات کو تو قطعی طور پر دانت مسوڑھے صاف کر کے سونا چاہیے۔ جو نونہال ایسا نہیں کریں گے وہ تکلیفیں اُٹھائیں گے۔

## پسینا اور بدبو

س: مجھے جب بھی پسینا آتا ہے تو بغلوں میں سخت بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر یہ مسئلہ گرمیوں میں زیادہ پسینا آنے کی وجہ سے شدّت اختیار کر لیتا ہے۔ نہانے کے

بعد کوئی کام کیا جائے تو پسینا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پسینا آنے کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی حالت میں لوگوں سے ملنے اور ساتھ بیٹھنے سے شرمندگی ہوتی ہے۔ میری طرح اور بہت سے لوگ اس مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کیا اس کا کوئی علاج ہے؟

سلمیٰ شاہین، حیدر آباد

ج: ہاں یہ مسئلہ بعض حالات میں واقعی تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ میری رائے ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنی غذاؤں میں زبردست تبدیلی کرنی چاہیے۔ مثلاً گائے بھینس کا گوشت ترک کر دینا چاہیے۔ ثقیل چیزیں (گوبھی بینگن) وغیرہ کھانا بند کر دینا چاہیے۔ پانی زیادہ پینا چاہیے۔

## اپنڈکس کیا ہے؟

س: اپنڈکس کا مرض کیا ہے اور یہ کس طرح ہوتا ہے؟ کیا اس کا علاج صرف اپریشن ہے؟

ثاقب مجید شیخ، فیصل آباد

ج: ہمارے پیٹ میں ایک اندھی آنت (اُعْوَر) ہوتی ہے۔ اس کا ایک زائدہ (اپنڈکس) ہوتا ہے۔ اس زائدۂ اُعْوَر میں کبھی کوئی بیج وغیرہ پھنس جاتا ہے اور اس میں ورم آجاتا ہے۔ جب ورم آتا ہے تو اس مرض کو اپنڈے سائٹس کہتے ہیں۔ صرف اپریشن ہی علاج نہیں ہے دوا کرنے سے بھی علاج ہو سکتا ہے۔

## آدھے سر کا درد

س: عمر ۱۲ سال ہے۔ پانچویں جماعت کا طالبِ علم ہوں۔ میرے آدھے سَر میں درد ہوتا ہے۔ اسکول کا کام کرتے کرتے درد ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے اور کبھی کبھار بیٹھے بیٹھے بھی سَر میں درد ہو جاتا ہے۔ از راہِ کرم کوئی علاج تجویز فرمائیں۔

عرشی نازؔ، کراچی

ج: صبح: خمیرہ ہمدرد ۶ گرام
شام: جوارش انارین ۶ گرام
رات: سومینا ۶ گرام

یہ تین دوائیں ایک ماہ تک کھائیں۔ دردِ نیم سر کا یہ واحد علاج ہے۔

پیارے پاکستان کے پیارے نونہالوں کے پسندیدہ ماہ نامے

# ہمدرد نونہال

کا خاص نمبر جولائی میں شائع ہو جائے گا۔

بڑوں اور بچّوں کی جاندار تحریروں سے آراستہ • تاریخی اور اسلامی واقعات سے مزیّن • سائنسی کہانیاں اور مضامین • پُرتجسس اور مہم جوئی کے واقعات • مُسکراتی تحریریں • سدا بہار قصّے • معلوماتی اور حیرت انگیز باتیں • پُرانی تحریریں اور نئے ادیب • جغرافیائی معلومات • تصویری معلومات • کارٹون • مزے مزے کی باتیں مزے مزے کی یادیں • نئی نئی خبریں • دل چسپ، سبق آموز اور طنز و مزاح سے بھرپور کہانیاں • باتیں شاعروں اور ادیبوں کی • دو طویل کہانیاں • دل چسپ سفر اور بہت کچھ جسے آپ بار بار پڑھیں گے۔

**خاص نمبر ــــ مستقبل کے عظیم لوگوں کا دوست**

قیمت بھی مناسب۔ پیسے جمع کرنے شروع کر دیجیے اور اخبار والے سے اپنے اور اپنے دوست کے لیے ابھی سے کہہ دیجیے۔

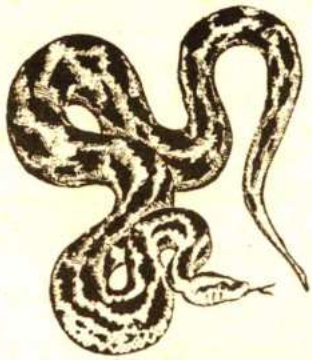

# سانپ

ماہین عارف، کراچی

رینگنے والے حشرات الارض میں سانپ کو پُراسرار کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سانپ اتنا پُراسرار بھی نہیں جتنا کہ اس کے بارے میں مشہور ہے۔ سانپوں کے بارے میں کئی غلط باتیں بھی مشہور رہیں۔

مثلاً یہ کہ اس کا جسم چپ چپا اور گندہ ہے۔ حال آنکہ ایسا نہیں ہوتا۔ البتہ اس کی کھال چکنی، خشک اور صاف ہوتی ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سانپ سو سال کی عمر کے بعد انسان کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ جس طرح سانپ کے کان نہیں ہوتے اسی طرح ناک بھی نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے منھ کے بالائی حصّے کے ایک کونے میں ایک ایسا عضو ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ سُونگھ سکتا ہے۔ سانپ مستقل طور پر اپنی زبان باہر نکالتا رہتا ہے۔ اس کی زبان ہوا کی تھوڑی سی مقدار اندر لے آتی ہے اور اس سے سانپ کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے آس پاس کیا ہے۔ سانپ اپنی آنکھیں کبھی نہیں جھپکتا، کیوں کہ اس کے پپوٹے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی آنکھوں کو کبھی بھی بند نہیں کرتا۔ سوتے وقت بھی اس کی آنکھیں کُھلی رہتی ہیں۔ دنیا کے تمام زہریلے سانپوں میں کالا ناگ یا کوبرا سب سے بڑا ہوتا ہے۔ کوبرا ناگ سولہ سترہ فیٹ لمبا بھی ہوتا ہے۔ کوبرا پرتگالی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا سر اکثر نارنجی رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ برصغیر پاک و ہند، جنوبی چین اور برما وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ کوبرا بہت ذہین ہوتا ہے۔ وہ خطرے کے وقت اپنے منھ سے بڑی تیز پھنکار سی نکالتا ہے اور اپنی گردن کو پھُلا لیتا ہے جسے پھَن کہا جاتا ہے۔ اپنے جسم کے نچلے حصّے کو گول کر کے اکثر وہ چار یا پانچ فیٹ تک اونچا کھڑا ہو جاتا ہے۔ کوبرا بھی دوسرے سانپوں کی طرح سُن نہیں سکتا۔ البتہ ان ارتعاشات کو محسوس کر لیتا ہے جو زمین میں ہوتے ہوئے اس

تک پہنچتے ہیں۔

اُڑنے والے سانپ بھارت، ملایا اور انڈونیشیا کے جزیرے جاوا میں پائے جاتے ہیں۔ ان سانپوں کی لمبائی عام طور پر تقریباً دو فیٹ ہوتی ہے۔ یہ چھپکلی بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ امریکی ریاست "ٹیکساس" سانپوں کی عالمی منڈی ہونے کی وجہ سے عالمی شہرت کی حامل ہے۔ یہاں سے دنیا کے بہت سے ممالک کو منجمد شدہ سانپ برآمد کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ریاست ٹیکساس کے شہر سویٹ واٹر میں ایک ہفتے کے دوران دس ہزار سانپوں کو زندہ پکڑا گیا جس سے مختلف قسم کے کھانے تیار کیے گئے۔ یہاں کے لوگ ایک خاص قسم کے ہُک کے ذریعہ سے زندہ سانپ پکڑتے ہیں۔ زندہ سانپوں کے علاوہ یہ لوگ مادہ سانپوں کا دودھ نکال کر کافی مہنگے داموں میں فروخت کرتے ہیں جو کئی طرح کی بیماریوں میں کام آتا ہے۔ سانپوں کی رنگین اور دِل کش کھالیں بھی فروخت کی جاتی ہیں، جو مگرمچھ کی کھال کے بعد سب سے مہنگی تصوّر کی جاتی ہیں۔

---

## محاوروں کے نئے استعمال

دل جلانا:

باورچی کی غفلت سے کلیجی کے ساتھ ساتھ مرغی کا دل بھی جل گیا۔

دُم دبا کر بھاگنا:

راشد نے خرگوش کو پکڑ کر اس کی دُم ریت میں دبائی اور بھاگ گیا۔

ہاتھوں کے توتے اڑ جانا:

بلّی کو دیکھتے ہی میرے ہاتھوں کے توتے اُڑ کر درخت پر جا بیٹھے۔

آنکھیں دکھانا:

ننھے گڈو نے کچرے سے بکرے کی آنکھیں نکال کر بلّی کو دکھائیں۔

انگور کھٹے ہونا

"انگور کھٹے ہیں، گلا خراب ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر جاوید کی امّی نے جاوید سے انگوروں کا تھیلا لیا اور فریج میں رکھ دیا۔

مرسلہ: سمیرہ خیال، کراچی

# جنگلی حیوانات

ڈاکٹر منظور احمد

جناب ڈاکٹر پروفیسر منظور احمد ایم ایس سی، پی ایچ ڈی ہمارے قابل قدر سائنس داں، جامعہ کراچی کے شعبۂ حیوانات میں استاد اور کئی سائنسی کتابوں کے مصنف ہیں۔ منظور صاحب نے ہماری درخواست پر پاکستان کے جنگلی جانوروں کے بارے میں سلسلۂ مضامین لکھنا شروع کیا ہے، جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ پہلی قسط پڑھیے۔

قدرت نے کُرۂ ارض پر جو نعمتیں مہیّا کی ہیں ان میں پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں، معدنیات اور نباتات وغیرہ کے علاوہ جنگلی حیوانات بھی ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں جنگل کا ایک خاص مفہوم پہلے سے موجود ہے، یعنی اونچے اونچے گھنے درختوں کا ایک بڑا مجموعہ۔ لیکن آج کل ماہرین کے نزدیک جنگل کا لفظ اپنے اندر کافی وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور ہر وہ علاقہ، پہاڑ،

صحرا، بنجر خطہ یا جنگل جس کے اندر کا قدرتی ماحول انسانی دخل اندازی سے بچا ہوا ہو، اُسے جنگلی ماحول کہا جاتا ہے۔ اس وضاحت کے مطابق جنگلی حیوانات صرف وہی نہیں ہیں، جو صرف گھنے درختوں کے درمیان رہتے ہوں، بلکہ تمام وہ حیوانات جو انسانوں کے پالے ہوئے نہ ہوں اور از خود، اپنی سخت جانی، قوت اور ذہانت کے بل بوتے پر زندہ ہوں جنگلی حیوانات میں شمار ہوتے ہیں۔ صحراؤں کے سانپ اور چھپکلیاں، دریاؤں کے گھڑیال اور مگر مچھ، پہاڑوں کے اُڑیال اور مارخور، سبھی جنگلی حیوانات میں شامل ہیں۔

حیوانات کے لفظ کا صحیح مفہوم سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ حیوانات میں صرف گائے، بھینس، شیر، چیتا، گینڈا، ہاتھی یا وہی جان دار شامل نہیں جو بڑے قد اور بڑے ڈیل ڈول کے مالک ہوں، بلکہ حیوانات جان داروں کے ایک بہت بڑے گروہ کا مجموعی نام ہے، جس میں اتنے چھوٹے جان دار بھی شامل ہیں، جنھیں خُرد بین کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا، اور اتنے بڑے بھی کہ انھیں دیکھ کر خوف آنے لگتا ہے۔ حیوانات میں مرجان (CORALS)، دُودے (WORMS)، کیچوے (EARTH WORMS)، جونکیں (LEECHES)، جھینگے (SHRIMPS)، لاکھوں قسم کے حشرات (INSECTS)، ہزار پا (MILLIPEDES)، بچھو (SCORPIONS)، گھونگے، مچھلیاں، مینڈک، پرندے اور بچّوں کو دودھ پلانے والے سب ہی جان دار شامل ہیں۔ سائنس دانوں نے حیوانات کی تقریباً ۱۵ لاکھ الگ الگ قسمیں بیان کی ہیں، جو کُرۂ ارض پر ملنے والے کئی طرح کے قدرتی ماحول میں رہ رہی ہیں۔

جنگلی حیوانات کے فائدے کُرۂ ارض پر رہنے والے دوسرے حیوانات اور خود انسان کے لیے کیا ہیں؟ اس پر جتنا بھی غور کیا جائے اتنا ہی قادرِ مطلق کے احسان کے آگے سر جُھکتا ہے۔ ابتدا سے ہی انسان حیوانات کو شکار کر کے اُن کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور اُن کی کھال سے اپنا جسم ڈھانپتا رہا ہے۔ لیکن خوراک حاصل کرنے کا یہ طریقہ بے شمار حیوانات میں بھی رائج ہے۔ یہ اصول کہ "طاقت ور کم زور کا شکار کرتے ہیں" کُرۂ ارض میں ہر طرف کار فرما ہے۔ شیر اور چیتے، بھیڑوں اور بکریوں، جنگلی بھینسوں یا زیبروں کا شکار کرتے ہیں۔ گیدڑ اور لومڑیاں اپنے ماحول میں سے چوہوں اور خرگوشوں پر گزر اوقات کرتے ہیں۔ آسمان پر اُڑتے والے شاہین، عُقاب باز، شہباز اور شکرے بھی کم زور پرندوں پر جھپٹتے رہتے

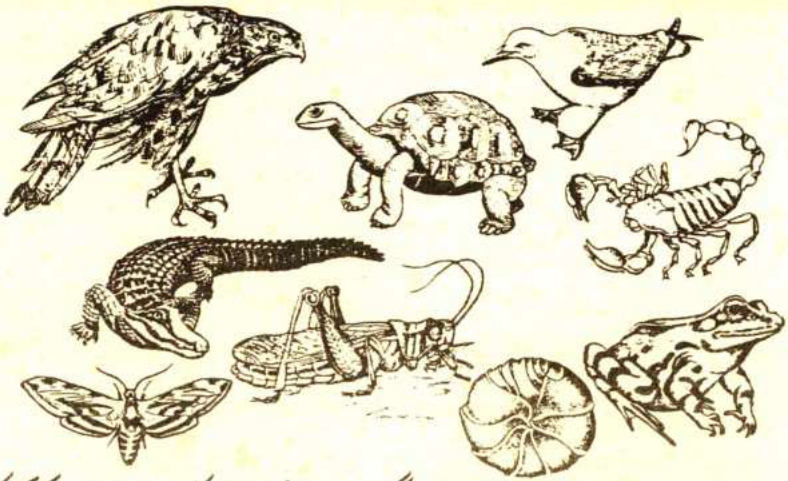

ہیں، بلکہ اِن میں سے بعض تو زمین پر رینگنے والے سانپوں، چھپکلیوں اور چوہوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ یہی حال سمندروں، دریاؤں اور جھیلوں میں رہنے والے حیوانات کا ہے، جن کے بارے میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ بڑی مچھلی، چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ حیوانات کی ان چند مثالوں سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ چھوٹے بڑے لاکھوں اقسام کے حیوانات کو کُرۂ ارض پر پیدا کر کے قدرت نے جان داروں کا ایک ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ ایک کی زندگی کا انحصار دوسرے کی موجودگی پر ہے۔ اور سب مل کر زندگی کے اس نظام کو چلا رہے ہیں۔

حیوانات کی ان عادتوں کے کچھ چُھپے ہوئے پہلو بھی ہیں، جن کے فائدے تھوڑے سے غور سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مختلف حیوانات کی آبادیاں کسی بھی قدرتی ماحول میں اتنی بڑھ نہیں پاتیں کہ دوسرے کے رہنے سہنے میں کسی مشکل کا باعث بن سکیں، اور نہ اتنی کم ہو جاتی ہیں کہ اُن پر زندہ رہنے والے دوسرے حیوانات کو بھوکا رہنا پڑے۔ ایک توازن کی حالت رہتی ہے۔ دوسرا بڑا فائدہ انسان کے لیے یہ ہے کہ حیوانات کی اس عادت سے کہ ایک جان دار کسی نہ کسی طرح دوسرے جان دار پر زندہ رہتا ہے، انسان بہت سے مسائل سے بچا رہتا ہے، مثلاً بے شمار اقسام کے پرندے سارا دن کیڑوں مکوڑوں کو کھاتے رہتے ہیں۔ مچھلیوں کے بچّے اور پانی کے دوسرے حیوانات کے بچّے مچھروں کے

لاروے کھا کر بڑے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مختصر عرصے میں کیڑوں، مکوڑوں، مکھیوں کی تعداد اس قدر بڑھ جاتی کہ انسان کے لیے زندہ رہنا محال ہو جاتا۔ یا ہماری فصلوں، پودوں اور پھلوں پر حشرات کا حملہ اس قدر شدید ہوتا کہ ہمارا موجودہ زہن سہن خطرے میں پڑ جاتا۔

جب سے انسان نے جنگلی جانوروں کو پالنا شروع کیا ہے اُن کے فائدے کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے۔ گھوڑوں، اونٹوں، ہاتھیوں اور گدھوں کو دُور دراز کے سفر، بار برداری اور جنگوں میں استعمال کے لیے پالنا بہت پرانی بات ہے۔ کتوں کو رکھوالی کے لیے پالنا بھی کوئی نیا نہیں۔ پہلے زمانے میں کبوتر پیامبری کے لیے بھی پالے جاتے رہے ہیں۔ شاہین اور شہباز کا پالنا تو اب ایک باقاعدہ فن ہے۔ سدھائے ہوئے شاہین اور باز لاکھوں رُپے میں بکتے ہیں۔ بطخوں کی سیکڑوں نسلیں پال کر پیدا کر لی گئی ہیں۔ اب تو کئی ملکوں میں نایاب حیوانات کو پالنے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ بعض عرب ملکوں میں تلوّر کو پال کر جنگلی ماحول میں چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ پھر اُس کا شکار شاہینوں کے ذریعہ سے کیا جائے۔ اور شکار کا لطف اُٹھایا جائے۔ مرغیوں، تیتروں، بٹیروں کو پال کر ایسی نسلیں تیار کر لی گئی ہیں کہ کوئی انتہائی خوب صورت پَروں کی وجہ سے دل کو لُبھاتی ہیں اور کوئی مشین کی طرح روزانہ انڈے دے کر معاشی فائدے کا ذریعہ ہیں۔ یہاں تک کہ انسان نے زہریلے سانپ کو پال کر اُس کے زہر کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ گھونگھوں کو خوراک کے لیے اور سیپیوں کو موتی پیدا کرنے کے لیے سدھا لیا گیا ہے اور مکھیوں کو شہد پیدا کرنے کے لیے گھروں میں رکھ لیا گیا ہے۔ غرض حیوانات کی دنیا میں اتنے رنگ، اتنا تنوع اور اتنی حیرانیاں ہیں کہ جتنا گہرائی میں جائیں اتنی ہی عقل عاجز نظر آتی ہے۔ ہر ایک نسل کی اپنی الگ دنیا ہے اور ہر گروہ کا اپنا ہی تانا بانا ہے۔ ان کی زندگی کے جس پہلو کو دیکھیں نئے راز کُھلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک مضمون، ایک کتاب یا چند کتابوں میں ان سب کو بیان کیا جا سکے۔

اِن تمہیدی اشاروں کے بعد ہم کوشش کریں گے کہ اس سلسلۂ مضامین میں مختلف قسموں کے حیوانات کی زندگی کے دل چسپ پہلوؤں کا صحیح سائنسی خطوط پر آپ سے تعارف کروائیں۔

# غیبی امداد

علی اسد

کسی زمانے میں تین بھائی ایک ایسے علاقے میں رہتے تھے جہاں عموماً پانی کی قلت رہتی تھی۔ چناں چہ ان کا زیادہ تر وقت پانی کی تلاش میں گزرتا تھا۔ ایک دن وہ پانی کی تلاش میں بہت دُور نکل گئے۔ تھکن، پیاس اور بھوک سے اُن کا بُرا حال تھا۔ جب ان کے چھوٹے بھائی احمد کی حالت زیادہ ابتر ہو گئی تو وہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر سستانے لگے۔ وہاں نخلِ حیات کے اس درخت کے سوا دُور دُور تک کوئی دوسرا درخت نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی چھوٹے بھائی احمد کو نیند آ گئی تو دونوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چھوٹا بھائی چوں کہ ہمارے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے، لہٰذا اسے ایسے ہی چھوڑ کر آگے بڑھ جایا جائے، چناں چہ دونوں بھائی احمد کو چھوڑ کر چل پڑے۔ شام ہو چکی تھی۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ احمد گھبرا کر جاگ اُٹھا "بھائیو! تم کہاں ہو؟" اندھیرے میں ڈر کر وہ چلّایا، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اور بھی خوف زدہ ہو گیا۔ اچانک ایک پھل درخت سے اس کے کندھے پر آ کر گرا۔ اس نے تیزی سے پھل کھا لیا۔ پھل بڑا رسیلا اور مزے دار تھا۔ اب آس پاس کے ریگستان سے جنگلی جانوروں کی آوازیں آنے لگیں۔ احمد جلدی سے درخت کے کھوکھلے

تنے میں چھپ گیا۔ یہ جگہ محفوظ تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو اس نے دیکھا کہ یہ تو درخت کے اندر ایک چھوٹا سا کمرا ہے۔ اس کے پیروں کے پاس ایک کمان پڑی تھی اور قریب ہی تیر بھی تھے۔ اس کے علاوہ ایک کلہاڑی بھی رکھی ہوئی تھی۔

صبح کو سو کر اُٹھنے کے بعد وہ کلہاڑی لے کر باہر نکلا۔ اس نے درخت کی چھال اور بیلوں کو کاٹ کر جانور پکڑنے کے لیے ایک جال بنا لیا۔ پھر وہ تیر کمان سے شکار کرنے لگا۔ جب پیاس لگتی تو درخت سے پھل اس طرح ٹپک پڑتا کہ جیسے درخت کو معلوم ہو گیا ہو۔ وہ اس پھل سے اپنی پیاس بجھا لیتا۔ غرض وقت گزرتا چلا گیا۔ اس عرصے میں بارش نہیں ہوئی۔ احمد خوشی سے زندگی گزارتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس کے بھائی نہ جانے کب واپس آئیں گے، مگر اس نے ہمّت نہ ہاری۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا چوہا اس کے جال میں پھنس گیا ہے۔ اس نے جُھک کر اسے دیکھا تو ایک ہلکی سی آواز سنائی دی:

"مجھ کو چھوڑ دو۔ مجھ کو چھوڑ دو۔ جب تم کو میری ضرورت ہوگی تو میں تمھاری اس مہربانی کا بدلا دوں گا۔"

احمد نے چوہے کو انسان کی طرح جو بولتے سُنا تو حیران رہ گیا۔ بہرحال احمد نے چوہے کو چھوڑ دیا اور وہ تیزی سے بھاگ گیا۔ دوسرے دن اس نے دیکھا کہ اس کے جال میں ایک شکرہ پھنس گیا ہے۔ شکرہ بولا:

"تم اگر مجھے آزاد کر دو گے تو میں تم کو اس کا بدلا اُس وقت دوں گا جب تم کو اس کی ضرورت ہو گی۔"

احمد نے اسے بھی آزاد کر دیا۔ وہ اُڑتا ہوا اوپر چلا گیا۔ رات کو احمد درخت کی کھوہ میں لیٹ گیا۔ اتنے میں اسے ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔ اس نے کہا، "بیٹا، تم کیسے ہو؟ تم کو ضرورت کی سب چیزیں مل رہی ہیں یا نہیں؟" احمد بولا، "سب چیزیں تو نہیں ہیں، مگر دن رات کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ آپ کا شکریہ۔"

بوڑھا بولا، "کبھی میں بھی اس درخت میں رہا کرتا تھا۔ اور مجھے جادو پر اتنا عبور حاصل

ہو گیا تھا کہ جس چیز کی خواہش کرتا تھا وہ مل جاتی تھی۔ مگر اس جادوئی طاقت کا اس دنیا میں کیا فائدہ؟"

احمد اس بوڑھے کی باتوں کو غور سے سنتا رہا۔ بوڑھا کہنے لگا "یہ تمھارے کام آسکتا ہے۔ یہ ایک طلسمی بٹوا ہے۔ تم جس چیز کی خواہش کرو گے اس بٹوے کے ذریعہ سے پوری ہو جائے گی۔ مگر کسی بُری بات کی خواہش نہ کرنا، ورنہ تم مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اب آرام کرو۔ جب بھی کوئی ضرورت ہو تو اس بٹوے کو بتا دینا۔" اتنا کہہ کر وہ بوڑھا غائب ہو گیا۔ احمد کو یقین نہیں آیا کہ یہ سب واقعی ہوا یا اس نے خواب دیکھا۔ مگر وہ طلسمی بٹوا اس کے ہاتھ میں تھا۔

جب صبح ہوئی تو احمد باہر نکلا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور پہلے کی طرح ویرانی ہی ویرانی تھی۔ اس نے بٹوے کو اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے خواہش کی کہ ایک گاؤں نمودار ہو جائے اور درخت نکل آئیں۔ پانی بھی ہو اور اچھے ہمدرد لوگ بھی ہوں۔ اس نے اپنے دل میں یہ خواہش کی ہی تھی کہ اچانک اسے ایک شور سُنائی دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر جب کھولیں تو کیا دیکھتا ہے کہ چاروں طرف چہل پہل ہے۔ لوگ اس کے درخت کے نیچے خریدنے، بیچنے میں مصروف ہیں۔ بکرے بول رہے

ہیں۔ لڑکے اُچھل کُود میں لگے ہیں۔ عورتیں اپنے سروں پر سامان اُٹھائے چلی جا رہی ہیں۔ قریب ہی کئی جھونپڑیاں تھیں۔ بوڑھے لوگ ان کے باہر بیٹھے حقہ پی رہے تھے اور سب سے اچھی چیز تھی ایک ندی، جو قریب ہی بہ رہی تھی۔ احمد دوڑ کر ندی کے پاس گیا اور اس میں چھلانگ مار دی۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اس کے چہرے پر جو پڑا تو اسے بڑا اچھا لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں جنّت میں آ گیا ہوں۔ پھر وہ بٹوے کو اپنے منہ میں کھونسے اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ وہاں تو واقعی ایک گاؤں موجود ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جس گاؤں کا اس نے خواب دیکھا تھا وہ یہاں آ موجود ہوا ہے۔ ایک بوڑھے شخص نے اس کو اپنے قریب بُلایا اور بولا، "احمد میاں، اپنے گاؤں میں آنا تم کو مبارک ہو۔" دن ہنسی خوشی گزرتے گئے۔ پھر احمد کی شادی ایک خوب صورت لڑکی سے ہو گئی۔

پھر ایک رات وہی بوڑھا آدمی احمد کو دکھائی دیا۔ احمد نے اس سے کہا: "آپ کا شکریہ آپ کے طلسمی بٹوے کی وجہ سے مجھے ہزاروں نعمتیں حاصل ہو گئی ہیں۔" بوڑھا بولا: "میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ میں نے یہ چیزیں پیدا نہیں کی ہیں۔" احمد بولا: "تو پھر یہ بٹوا لے لیجیے اور جس کا ہے اسے دے دیجیے۔"

"نہیں بیٹا، تم کو اس کی ابھی ضرورت ہے۔ یہ زندگی بھر کے لیے تمھارا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔ ایک دن شام کے وقت احمد اور اس کی بیوی بیٹھے ہوئے ندی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں انھیں دو آدمی آتے دکھائی دیے جو بہت پریشان حال نظر آ رہے تھے۔ یہ دونوں دراصل احمد کے بڑے بھائی تھے۔ بڑے بھائی نے احمد سے کہا: "بھائی میرے بھائی، ہم کو یہاں آرام کرنے دو۔ ہم پانی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ پھر ہم نے سُنا کہ تمھارے اس گاؤں میں ندی ہے اور مویشی بھی ہیں۔ ہم کو معاف کر دو کہ ہم تم کو وہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ہم کو پناہ دو۔"

احمد نے انھیں گلے لگایا۔ صاف کپڑے پہننے کو دیے۔ کھانا کھلایا اور رہنے کو جگہ دی اور کہا کہ جب تک چاہیں رہیں۔

مگر یہ دونوں شکر گزار ہونے کے بجائے احمد سے حسد کرنے لگے۔ ایک رات انھوں

نے احمد سے کہا، "بھائی، ہم جا رہے ہیں۔ یہاں تمھارے مقابلے میں ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔"

احمد نے طلسمی بٹوا ہاتھ میں لے کر کہا، "میرے دونوں بھائیوں کے لیے بھی میرے مکان کی طرح مکانات ہوں، خوب صورت بیویاں ہوں اور مویشی ہوں تاکہ وہ مطمئن رہیں۔" چنانچہ فوراً نئے مکانات پیدا ہو گئے اور دونوں بھائیوں کے لیے بیویاں بھی آ گئیں۔ دونوں بھائیوں نے اس بٹوے کی طلسمی طاقت جو دیکھی تو احمد سے پوچھا، "کیا تمھاری دولت کا ذریعہ یہی بٹوا ہے؟" احمد نے کہا، "ہاں مجھے ایک بوڑھے آدمی نے عالمِ خواب (سوتے میں) میں یہ دیا تھا۔ اس کو ہاتھ میں لے کر میں جو خواہش کرتا ہوں وہ پوری ہو جاتی ہے۔" دونوں بھائی بولے، "ذرا ہم کو بھی تو یہ بٹوا دیکھنے دو۔" احمد نے بٹوا دے دیا۔ بڑے بھائی نے بٹوا ہاتھ میں لیتے ہی کہا، "یہ گاؤں اور جو کچھ یہاں ہے وہ سب یہاں سے بہت دُور چلا جائے اور ہمارا بھائی احمد یہاں اکیلا مارا مارا پھرتا رہے۔"

اس کا یہ کہنا تھا کہ گاؤں اور مویشی اور وہاں کے باشندے سب غائب ہو گئے۔ احمد

پھر اکیلا رہ گیا۔ وہ سمجھ ہی نہ پایا کہ یہ کیا ہو گیا۔ وہ چلّایا، "بوڑھے باپ، بتاؤ میں کیا کروں؟" کسی نے جواب نہ دیا۔

ادھر بہت دُور گاؤں کے لوگ رنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ دونوں بڑے بھائی ظالم بادشاہوں کی طرح ہر شخص کو پریشان کر رہے تھے۔ احمد کی بیوی اپنے گھر میں بھوکی پیاسی اپنے شوہر کی جدائی سے پریشان تھی۔ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ لیکن ایک اور بات بھی ہو گئی۔ دونوں بڑے بھائیوں کو رات بھر پریشانی رہنے لگی۔ بوڑھے آدمی کی روح دونوں کو رات بھر پریشان کرتی رہی۔ صبح کو جب یہ دونوں اُٹھتے تو ان کی حالت خراب ہوتی۔ نیند ان کے لیے حرام ہو گئی۔

ادھر احمد بے چارہ اپنے گاؤں اور بیوی کو ڈھونڈتا رہا۔ ایک دن ایک چوہا اپنے بِل میں سے نکل کر اس کے پیروں کے پاس آ گیا اور بولا، "احمد، اچھے احمد، میری بات سنو۔ جب میں تمھارے جال میں پھنس گیا تھا تو تم نے مجھے آزاد کر دیا تھا۔ اب میں تمھاری مدد کروں گا۔ تم اس وقت پریشان ہو۔ کیا بات ہے؟" احمد نے چوہے کو سارا قصّہ سنا دیا۔

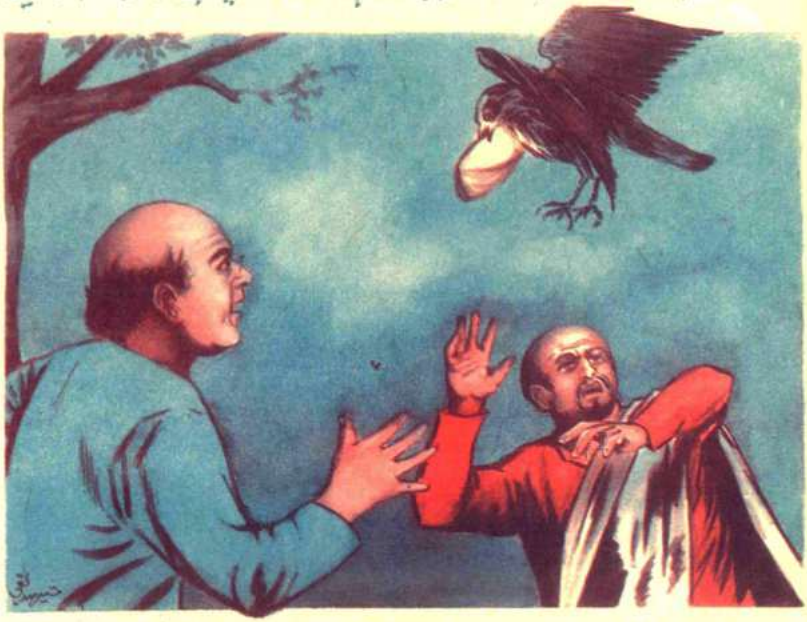

چوہا بولا،

"بھلائی کا بدلا ہمیشہ بھلائی ہی نہیں ہوتا۔ احسان فراموشی بڑی بُری بات ہے۔ مگر ٹھہرو۔ میں تمھارا بٹوا تم کو لادوں گا۔" اتنا کہہ کر چوہا چلا گیا۔ احمد چوہے کے بِل کے پاس انتظار کرتا رہا۔

عین اسی وقت دونوں بڑے بھائی بٹوے کے لیے جھگڑا کر رہے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ میں اس کا مالک ہوں۔ دوسرا کہتا تھا کہ میں اس کا مالک ہوں۔ دونوں میں بٹوے کے لیے چھینا جھپٹی شروع ہو گئی۔ اتنے میں بٹوا زمین پر گر گیا۔ چوہا فوراً اسے اپنے دانتوں میں دَبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بڑا بھائی چلّایا، "اس چوہے کو پکڑو۔ وہ تو طلسمی بٹوا لیے جا رہا ہے۔" دوسرے بھائی نے چوہے کو پکڑ لیا۔ بٹوا ابھی تک چوہے کے قبضے میں تھا۔ انھوں نے چوہے کو لکڑی سے مارا مگر وہ بٹوے سے چمٹا رہا۔ اتنے میں آسمان سے ایک شِکرہ جھپٹّا پڑا اور بٹوے کو اپنی چونچ میں دَبا کر اُڑ گیا۔ چوہا بھی اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں بٹوا احمد کے پیروں کے پاس رکھا ہوا تھا۔ جوں ہی بٹوا احمد کو ملا اس نے اسے ہاتھ میں لے کر کہا، "وہ گاؤں اور جو کچھ اس گاؤں میں ہے وہ سب فوراً میرے پاس آجائے۔" احمد کا یہ کہنا تھا کہ گاؤں اور اس کے باشندے اور مویشی واپس آ گئے۔ احمد کی بیوی بھی اس کے پاس آ گئی۔ مگر احمد کے دونوں بھائی نقلی مسکراہٹ کے ساتھ دکھائی دیے اور ایسا ظاہر کرنے لگے کہ جیسے وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ احمد نے ان کی طرف دیکھا اور سمجھ گیا کہ وہ کیا ہیں۔ اگر وہ یہاں رہیں گے تو پھر کوئی نئی پریشانی پیدا کر دیں گے۔ اس نے بٹوے سے کہا، "ان دونوں کو بہت دُور کہیں پہنچا دو، تاکہ یہ مجھے کبھی نظر نہ آئیں۔" بس پھر کیا تھا۔ وہ دونوں غائب ہو گئے۔ احمد اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہنے لگا۔ چوہا بھی وہیں رہنے لگا اور شِکرہ مکان کی چھت پر بسیرا کرنے لگا۔

---

کالم طب کی روشنی میں اکثر نونہال اس قسم کے سوالات بھیج دیتے ہیں جن کے جواب رسالے میں شائع نہیں کیے جا سکتے۔ ایسے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مکمل پتا ضرور لکھیں تاکہ انھیں خط کے ذریعہ سے ضروری مشورہ دیا جا سکے۔

# عید مناؤ

غنی دھلوی

پیارے بچّو عید مناؤ
اچھا پہنو اچھا کھاؤ

باپ اور ماں سے گلے لگو تم
کھول کے بانہیں عید ملو تم
خوشیوں کی تمہید بنو تم

پیارے بچّو عید مناؤ
اچھا پہنو اچھا کھاؤ

آنکھوں میں تم دریا خوشی کا
دِل میں لے کے جذبہ خوشی کا
مِل کر گاؤ نغمہ خوشی کا

پیارے بچّو عید مناؤ
اچھا پہنو اچھا کھاؤ

باغ میں چل کر جھولا جھولو
خوشیاں مناؤ کھیلو کُودو
آپس میں تصویریں کھینچو

پیارے بچّو عید مناؤ
اچھا پہنو اچھا کھاؤ

# بند ڈبّے کا راز

مجیب ظفر انوار

ہم سب گھر والے ابھی کچھ ہی دیر پہلے بازار سے عید کی خریداری کر کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ تھکن کے مارے ہم سب کا بُرا حال تھا۔ تھوڑی دیر بعد سب ڈرائنگ روم میں آ گئے اور اپنی اپنی چیزوں کے پیکٹ وصول کرنے لگے۔

"امی جان، یہ کریم کلر کا سوٹ میرا ہے۔" ننھے کاشان نے ایک پیکٹ امی کے ہاتھوں سے جھپٹتے ہوئے کہا۔ امّی یہ دیکھ کر مسکرا اٹھیں، "ہاں ہاں لے لو تمھارا ہی ہے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد سب کو اپنی اپنی چیزیں مل چکی تھیں مگر ایک بڑا سا پیکٹ میز پر بہ دستور موجود رہا۔

"ابّو جان، یہ کس کا ہے؟" ہم نے پیکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابّو سے پوچھا۔ اب تو دوسرے بہن بھائیوں کے کان بھی کھڑے ہوئے اور سب اس بند پیکٹ کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ ابّو نے ہماری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"اچھا اچھا سمجھ گیا، امّی جان، یقیناً اس میں آپ کی نئی ساڑی ہوگی، ہے نا!" ہم نے اپنی رائے پیش کی۔ یہ سُن کر باجی بولیں "بے وقوف! دیکھو تو پیکٹ کتنا بڑا ہے۔ اس میں بھلا صرف ایک ہی ساڑی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"واقعی، پیکٹ تو بہت بڑا ہے اور مضبوطی سے بند ہے۔ بتائیے نا امی جان اس کے اندر کیا ہے؟" اشتیاق کے مارے ہمارا بُرا حال تھا۔ ہم سب بند ڈبے کے متعلق اپنی اپنی رائے پیش کر رہے تھے مگر امی اور ابو سب کی باتوں سے بے نیاز مسکرا رہے تھے۔

"اس میں دادی جان اور دادا جان کے لیے عید کا تحفہ ہوگا۔" عالیہ نے کہا۔

"میرے خیال میں اس میں ٹی وی ہے، چھوٹا والا۔" کاشان نے اپنی رائے پیش کی۔

"ارے میں سمجھ گیا، اس میں ہم سب کے لیے جوتے ہیں... ایں، مگر جوتے تو ہم سب کل ہی خرید چکے ہیں...." بھائی جان سر کھجاتے ہوئے بولے۔

"ارے میں بتاتی ہوں۔ اس ڈبّے میں عید کا چاند بند ہے۔ جب عید منانے کو دل چاہے ڈبّا کھول دو، چاند نظر آجائے گا۔" باجی نے کہا، یہ سُن کر ابّو نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولے، "ارے واہ! ہماری بیٹی تو سب سے زیادہ ذہین ہے، اچھا سنو، ہم بتاتے ہیں کہ اس بڑے سے بند پیکٹ میں کیا ہے۔"

"بُرا..... سچ .... ابّو آپ بتا دیں گے کہ اس ڈبّے میں کیا ہے۔" کاشان نے خوشی سے چیختے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، ہم ضرور بتائیں گے اپنے بچّوں کو کہ اس ڈبّے میں کیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ رُکے اور امی جان کی طرف دیکھ کر بولے، "کیوں بیگم، بتا دیا جائے بچّوں کو؟" امّی جان نے بُرا سا منھ بنایا اور بولیں، "آخر ان لوگوں کو اتنی فکر کیا ہے؟ سب کو اپنی اپنی چیزیں مل چکی ہیں، لہٰذا میں حکم دیتی ہوں کہ سب اس ڈبّے کا خیال اپنے دِلوں سے نکال دیں۔"

امّی جان کی طرف سے صاف انکار سُن کر ہم سب ابّو جان کے پیچھے پڑ گئے، "بتائیں نا ابّو، آپ نے وعدہ کیا تھا۔ آخر آپ اتنا اشتیاق کیوں پیدا کر رہے ہیں۔" باجی نے زچ ہو کر کہا۔ اب تو ہم سب کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔

اور ابّو جان گھبرا کر ہاتھ کے اشارے سے ہمیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے بولے، "اوہو، یہاں تو معاملہ ہی خطرناک ہو گیا ہے۔ ہمارے بچّوں نے تو شرپسند عناصر کی طرح کسی جلسے میں ہنگامہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ بیگم، اب تم دل تھام کر بیٹھو کہ میں بچّوں کو بتانے ہی والا ہوں کہ ڈبّے کے اندر کیا ہے۔"

یہ سُن کر خوشی کے مارے ہماری باچھیں کھل گئیں۔ اُس وقت ابّو جان ہمیں فرشتہ معلوم ہو رہے تھے۔

"بتائیں نا ابّو۔" کاشان کو ابّو جان پر زیادہ ہی پیار آ رہا تھا۔ وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر اصرار کرنے لگا۔

"بھئی میرے بچّوں کو مجھ سے کتنی محبّت ہے، دیکھ رہی ہو بیگم؟" ابّو جان نے فخریہ لہجے میں کہا۔ یہ سُن کر امّی جان مسکرا کر بولیں، "جی ہاں خوب جانتی ہوں، ابھی یہ پیکٹ کُھلے گا اور آپ کے یہی بچّے جو آپ کی محبّت میں تڑپ رہے ہیں کمرے سے باہر نکلتے نظر آئیں گے۔ ننھے، میں کہتی ہوں پیچھے ہٹو۔" امّی نے کاشان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

یہ سُن کر ابّو جان مصنوعی غصّے سے بولے، "بیگم، آج تم نے ہمارے پانچوں بچّوں کے سامنے ہماری توہین کی ہے۔ تو بچّو، لو سنو اس پیکٹ میں ....." اتنا کہہ کر ابو جان رُکے۔ ہمارے چہروں پر ایک نظر ڈالی۔ ہم سب کے منہ کھلے اور آنکھیں پھٹی تھیں اور پھٹی آنکھوں کے دیدے ابّو جان کے ہونٹوں پر جمع تھے اور کان پوری طرح ان کی آواز کیچ کر رہے تھے۔ ہماری یہ حالت دیکھ کر وہ مسکرا اُٹھے اور بولے، "بیگم، اللہ گواہ ہے، معلوم ہو رہا ہے جیسے میں ٹی وی پر کسی ملک کے سربراہ کے اغوا کی خبریں سُنا رہا ہوں۔" یہ سُن کر امی جان زور سے ہنس پڑیں۔

ہم سب نے سکون کا سانس لیا۔

اب ابو جان نے کھنکھارا اور گویا ہوئے، "ہاں تو بچّو! اس ڈبّے میں ..... اس ڈبّے میں ....." اتنا کہہ کر وہ رُکے اور امّی جان کی طرف دیکھ کر انجان بن کر پوچھا، "بھلا بیگم، کیا تھا اس ڈبّے میں؟"

"ارے بھاڑ میں جائے ....." امّی جان اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کون.... کون بھاڑ میں جائے؟" ابّو جان نے جلدی سے پوچھا۔

"بے فکر رہیے آپ کو نہیں کہہ رہی۔ نہ آپ کی اولاد کو کہہ رہی ہوں، اس ڈبّے کو کہہ رہی ہوں اور سُنیے آپ کا روزہ ہے، روزے کی حالت میں بچّوں سے جھوٹ بولے تو روزِ محشر بھی پکڑے جائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں بیگم، روزِ محشر کی پکڑ یعنی فرشتوں کی پکڑ دھکڑ آپ سے تو نرم ہی ہوگی۔" یہ سُن کر ہم سب قہقہہ مار کر ہنسے۔

اور امی جان بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں، "ابّو، آپ نے امی کو بھی ناراض کر دیا۔ اب تو بتا دیں اس بند پُراسرار ڈبّے میں کیا بلا ہے۔"

"ہاں واقعی تمھاری امی جان ناراض ہو گئیں۔ دراصل میں نے اور تمھاری امّی جان نے تہیّہ کیا تھا کہ کسی تیسرے آدمی کو اس ڈبّے کے بارے میں وقت سے پہلے نہیں بتائیں گے۔ ویسے اتنا بتا دوں کہ اس ڈبّے میں ہم سب کی عید کی خوشیاں بند ہیں..... سمجھے..... اچھا بھئی اب دو تین دن بعد عید ہے۔ تمھاری امّی جان کو منا لیں ذرا، ورنہ عید کے دن خاک مزہ آئے گا اور ہاں میرے عزیز بچّو! ڈبّے کی طرف سے بے فکر رہو یہ عید ہی کے دن کھلے گا۔"

اتنا کہہ کر ابّو جان تو دو گیارہ ہو گئے اور ہم سب ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کا منھ ہی تکتے رہ گئے۔
"عید... عید کے دن ڈبّے کا راز کھلے گا، اُف اللہ" بھائی جان نے مری مری آواز میں ڈبّے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
اچانک امّی جان کمرے میں داخل ہوئیں۔ ایک نظر ہم سب پر ڈالی اور پیکٹ اُٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ یہ کیسا راز تھا۔ ہمارا جی چاہ رہا تھا کہ لپک کر امّی جان کے قدموں سے لپٹ کر ڈبّے کا اندرونی حال معلوم کرلیں، مگر ہمت نہ پڑی، یا یوں کہہ لیں کہ امّی جان کے رعب کی وجہ سے ہماری بُزدلی نے اجازت نہ دی۔
خیر وقت پَر لگا کر اُڑا۔ دو دن بھی گزر گئے۔
عید کی صبح آئی تو ہم سب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور ہماری جیبیں عیدی کے بوجھ سے پھولی ہوئی تھیں۔
باجی اور امّی جان باورچی خانے میں پوریاں اور کباب تلنے میں مصروف تھیں اور عید گاہ سے آنے کے بعد ابھی ہم دہی بڑوں کا مزہ معلوم کر ہی رہے تھے کہ ہمارے گھر کام کرنے والی عورت آ گئی۔ آج وہ عید کی وجہ سے اپنے سات آٹھ سالہ بچّے کو بھی ساتھ لائی تھی۔ اچانک ہماری نظریں بچّے کے پژمردہ چہرے پر پڑ گئیں اور اُس بچّے کی آنکھوں میں موجود حسرت و یاس نے ہمارے دل کو مسوس کر رکھ دیا۔
وہ بچّہ ہم سب کے نئے کپڑوں کو گھور رہا تھا۔
کتنی ہی دیر ہم سب اُسے نوٹ کرتے رہے۔ اس کی غریب ماں ہمارے باورچی خانے میں برتن دھوتی رہی اور وہ مظلوم بچّہ عید کی خوشیوں سے بے نیاز بیٹھا ہم سب کو حسرت اور حیرت کی نظروں سے دیکھتا رہا۔ ہمارا دل دُکھ کر رہ گیا اور ہم نے سوچا کہ آخر خوشیاں سب کے لیے ایک سی کیوں نہیں ہوتیں۔ یہ بچّہ بھی مسلمان ہے، انسان ہے، تو یہ بھی ہماری طرح عید کے دن نئے کپڑے کیوں نہیں پہنتا! اس دنیا کا نیا روپ پھر ہمارے سامنے تھا۔ اب ہمیں اندازہ ہوا کہ ہم اپنی اپنی خوشیوں میں مگن اپنے اردگرد والوں کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔
ہم سب بچّے افسردہ ہو چکے تھے اور دل و جان سے نوکرانی کے بچّے کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ ابھی ہم سب آپس میں سرگوشیاں کر ہی رہے تھے کہ امّی جان اور ابّو جان آتے نظر

آئے۔ امی جان کے ہاتھوں میں وہی بند پیکٹ تھا۔

"عید مبارک امّی ابّو" ہم سب ان سے لپٹ گئے۔

"جیتے رہو، زندہ تن درست رہو" اتنا کہہ کر امی جان نے ماسی کو آواز دی "صغرا وصغرا، ذرا یہاں تو آنا" امّی کی آواز سُن کر ماسی باورچی خانے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر آئی، "جی بیگم صاحبہ!"

"کچھ نہیں، بس یہ کہہ رہی تھی کہ تم جاؤ، باقی کام میں خود کر لوں گی۔ اور ہاں یہ لو، اس میں تمھارے بچّوں کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ ہیں۔ آج عید کا دن ہے، جاؤ تم بھی اپنے بال بچّوں کے ساتھ عید کی خوشیاں مناؤ"

یہ سُن کر ہمارے منھ کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔

**********

# میرا وطن

غلام محمد وامق

مزدور کسانوں کا وطن میرا وطن ہے
محنت کی بہاروں کا وطن میرا وطن ہے

آزادی کی خاطر جو کریں جان بھی قربان
جاں باز جوانوں کا وطن میرا وطن ہے

سرسبز ہے مہکا ہوا پھولوں سے گلستاں
یہ شوخ بہاروں کا وطن میرا وطن ہے

ہر گوشہ ہے رنگین فضاؤں سے مُعطّر
گُل رنگ نظاروں کا وطن میرا وطن ہے

ہر فرد وطن کا ہے چمکتا ہُوا تارا
رخشندہ ستاروں کا وطن میرا وطن ہے

رحمت میرے مولا کی سدا اِس پہ رہے گی
اللہ کے پیاروں کا وطن میرا وطن ہے

اس قوم کی تاریخ ہے تحریر لہو سے
یہ زندہ فسانوں کا وطن میرا وطن ہے

اس دیس کی مٹّی میں بھی اخلاص ہے وامق
چاہت کے خزانوں کا وطن میرا وطن ہے

افریقہ کی کہانی

# چور

ابرار محسن

مُٹارے قبیلے کا سردار تھا۔ اس کا جسم گینڈے کی طرح مضبوط تھا۔ اس کے علاوہ اس کی بہادری کی داستانیں دُور دُور کی بستیوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کا بھالا ہوا میں تیر کی طرح سنسناتا ہوا جاتا تھا، لیکن دل کا اتنا ہی نرم تھا۔ وہ لوگوں کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اس کا بھالا کم زوروں اور مظلوموں کی حفاظت کے لیے ہی اُٹھتا تھا۔ جب بستی پر کوئی دشمن حملہ آور ہوتا تو وہ شیر کی طرح ڈٹ جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سب اس کی عزت کرتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ اس کے چار بیٹے تھے اور اس کے پاس بہت سی گائیں تھیں۔ قبیلہ خوش حال تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ مطمئن تھا۔

ایک بار قبیلے پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ ایک رات جب کہ بالکل اندھیرا تھا وحشیوں

نے اچانک قبیلے پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ وحشیوں نے تقریباً تمام ہی قبیلے والوں کو مار ڈالا اور ان کے مویشی ہنکال کر لے گئے۔ مٹالے، اس کی بیوی اور سب سے چھوٹا بیٹا بچ گئے۔ تینوں بڑے لڑکے بھی مارے جا چکے تھے۔

اس واقعے کے بعد مٹالے ایسا بددل ہو گیا کہ اس نے وہ جگہ ہی چھوڑ دی اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں ایک محفوظ اور پُرسکون جگہ جا بسا۔ وہاں اس نے سوکھی گھاس اور بانسوں سے گول شکل کی ایک جھونپڑی بنالی۔

آس پاس کے جنگل جانوروں سے بھرے پڑے تھے۔ شکار ہی شکار تھا۔ کوئی خاص پریشانی نہ تھی، مگر اس کی بیوی اکثر اپنے بیٹوں کو یاد کر کے روتی رہتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے دل کا زخم بھی بھرتا گیا اور اس کا سارا پیار چھوٹے بیٹے کے لیے ہی ہو گیا۔ مٹالے دن بھر بھالا لیے جنگلوں میں شکار کھیلتا پھرتا۔ شام کو وہ شکار کیا ہوا جانور کاندھے پر رکھ کر واپس لوٹتا۔ اس کی بیوی جھونپڑی کے سامنے آگ جلاتی اور جانوروں کو بھون کر تینوں کھا لیتے۔ بیوی نے جھونپڑی کے آس پاس زمین کھود کر ترکاریاں بھی اُگائی تھیں۔

ایک رات بہت اندھیری تھی۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ کوندہ بار بار لپک رہا تھا اور بادلوں کی گھن گرج سے زمین کانپ کانپ جاتی تھی۔ اچانک جھونپڑی کے دروازے پر کوئی آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کون ہے؟" مٹالے نے للکارا اور بھالا سنبھال لیا۔

"ایک پردیسی ہوں۔ طوفان میں پھنس گیا ہوں۔ اور ....." آنے والے نے کہنے کی کوشش کی۔

مٹالے بول اُٹھا: "پردیسی اس طرف سے نہیں گزرتے، یہ عام راستہ نہیں ہے۔ تُو، مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں جانتا ہوں تُو بدنام چور چولو ہے۔"

"چولو چور!" اس کی بیوی نے حیرت، نفرت اور خوف سے دہرایا۔ "اسے یہاں سے فوراً بھگا دو۔ اس کا یہاں کیا کام؟ چوروں کو پناہ نہیں دی جا سکتی۔ مٹالے! نکال دو اسے یہاں سے۔ اس جھونپڑی میں چور نہیں ٹھیر سکتا۔"

مٹالے بولا:

"مجھے اس سے غرض نہیں کہ یہ کیا کرتا ہے۔ اس طوفان میں یہ صرف ایک مسافر ہے جو ہماری پناہ میں آیا ہے۔ اسے پناہ دینا ہمارا فرض ہے، مگر کل دن نکلنے سے پہلے ہی اسے چلا جانا ہوگا۔"

چولو کو کھانا دیا گیا اور اس کے بعد وہ سوکھی گھاس کے ڈھیر پر سو گیا۔ صبح سویرے ہی جب مٹالے اور اس کی بیوی کی آنکھ کھلی تو چولو جا چکا تھا۔ بارش ختم ہو چکی تھی اور آسمان صاف تھا۔

چند مہینے اور گزر گئے۔ اس عرصے میں مٹالے نے وہیں کھیت بنا کر مکا اُگائی تھی اور اب اس کے پاس دس گائیں بھی تھیں۔

ایک دن مٹالے جھونپڑی میں واپس آیا تو بہت فکر مند تھا۔ اس نے بیوی سے کہا، "آس پاس کے گاؤں میں وبا پھیل رہی ہے جس سے بچے مر رہے ہیں۔ مجھے اپنے بیٹے کی فکر ہے۔ ہمارا یہاں رہنا خطرناک ہے، مگر ہم یہ جگہ چھوڑیں کیسے؟ فصل تیار ہونے ہی والی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"

اسی فکر میں دو دن اور گزر گئے۔ وبا اور زیادہ پھیلتی جا رہی تھی۔ ایک دن مٹالے اور اس کی بیوی جب کھیت سے واپس جھونپڑی میں آئے تو دیکھا چولو ان کے بیٹے کو گود میں لیے بھاگا جا رہا تھا۔ دُور، بہت دُور۔ مٹالے نے اس کا پیچھا کیا، مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ بیوی نے رو رو کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔

"دیکھا چور کو پناہ دینے کا انجام! وہ ہمارا بچہ بھی چُرا لے گیا۔ ہائے، اب میں کیسے بچے کو پاؤں گی؟" وہ زور زور سے چھاتی پیٹتی رہی۔

ایک شام جب وہ شکار سے واپس آیا تو اپنی جھونپڑی سے کچھ دُور پر چولو کو واپس دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کا بھالا فضا میں بُلند ہوا اور چولو کے سینے کے آر پار ہو گیا۔

"تُو نے میرا بیٹا چُرایا ہے۔" مٹالے پھنکارا۔

"ہاں،" چولو نے دم توڑتے ہوئے کہا، "وبا پھیل رہی تھی، مگر تم فصل کی وجہ سے

یہ جگہ چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ سردار! تم نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں تمھارے بچّے کو بچانا چاہتا تھا۔ بس میں اُسے چُرا کر لے گیا۔ بچّے کو وَبا سے دُور رکھنے کی یہی ترکیب تھی۔ اب وَبا ختم ہو چکی ہے۔ میں تمھارے بچّے کو تمھاری بیوی کو دے کر ہی آرہا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں سب سے اچھی چوری یہی کی تھی۔"

وہ دیوانہ وار جھونپڑی کی طرف دوڑا۔ اس کی بیوی بچّے کو بازوؤں میں لیے پیار کر رہی تھی۔

"مٹالے!" وہ بول اُٹھی، "چولو ہمارے بچّے کو وَبا سے بچانے کے لیے لے گیا تھا۔ اس کا بڑا احسان ہے ہم پر۔ ہم نے اُسے کتنا غلط سمجھا! وہ ہمارا دوست، ہمدرد اور محسن تھا۔

مٹالے ہکّا بکّا کھڑا تھا۔

اچانک وہ اُلٹے پیروں واپس دوڑا۔

"چولو! چولو! میرے دوست!"

وہ چلّاتا ہوا نزدیک آیا۔ چولو کی کُھلی ہوئی بے جان آنکھیں ساکت تھیں۔ مٹالے نے سر جھکا لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

۵

## موسم اور جانور

میدانی علاقے میں درجۂ حرارت معلوم کرنے کے لیے ۱۴ سیکنڈ میں جھینگر جتنی بار بولے اس میں ۴۰ جمع کریں۔ یہ اس دن کا درجۂ حرارت ہوگا۔ (ماہرِ موسمیات)

ایک اُلّو لیں۔ اس کی آنکھیں ایک منٹ میں جتنی بار جھپکیں گی وہ اس دن کا منفی درجۂ حرارت ہوگا۔

ایک درجن جونکیں لیں۔ ان کو ایک بوتل میں بند کر دیں۔ اگر وہ بوتل میں آرام سے پڑی رہیں تو موسم خوش گوار رہے گا۔ اگر وہ بوتل میں کھلبلی مچا دیں تو موسم کی خرابی کا امکان ہوگا۔ (میری ویدر)

مرسلہ: فیض رسول انجم، آبدی شریف

# مشاعرہ ہمدرد نونہال

مرزا ظفر بیگ

مارچ کا مہینہ سب پاکستانیوں کے لیے بڑے فخر اور خوشی کا مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی تھی جس کی یاد میں ہم ہر سال ۲۳۔ مارچ کو یومِ پاکستان مناتے ہیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کے زیرِ انتظام جناب حکیم محمد سعید صاحب کی سرپرستی میں اکثر و بیش تر نونہالوں کی تحریری، تقریری اور ادبی صلاحیتوں میں اضافے کے لیے پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ دوسرے پروگراموں کے ساتھ ساتھ کئی سال سے بچّوں کا مشاعرہ بھی منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس مرتبہ یہ مشاعرہ آزادی کے عنوان سے منعقد کیا گیا۔

۲۰۔ مارچ ۱۹۸۸ء بروز اتوار کو کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں کُل پاکستان ہمدرد نونہال مشاعرہ منعقد ہوا۔ پونے چار بجے تک ہال کا کافی حصّہ بھر چکا تھا۔ اس بار نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چار بجنے میں چند سکینڈ باقی تھے، مگر نونہالوں کے دوست جناب حکیم محمد سعید کا کہیں پتا نہ تھا۔ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ کیا اس مرتبہ حکیم صاحب کا ہمیشہ وقت پر پہنچنے کا رکارڈ ٹوٹ جائے گا۔ نونہالوں کی نظریں کبھی گھڑی کی طرف اُٹھتیں اور کبھی دروازے

کی طرف۔ سیکنڈ کی سوئی کا سفر برابر جاری تھا۔ اچانک ہی تالیوں کی آواز سے ہال گونج اُٹھا۔ اور ٹھیک چار بجے حکیم صاحب اپنے مخصوص انداز میں ہال میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ اپنے روایتی سفید لباس میں ملبوس تھے مگر آج اس کے ساتھ ایک اضافہ بھی تھا۔ حکیم صاحب نے سر پر سیاہ ٹوپی بھی پہن رکھی تھی۔ یعنی حکیم صاحب آگئے۔ اس مرتبہ مہمانِ خصوصی ایک صاحب نہیں تھے بلکہ بہت سے حضرات تھے۔ "اسلامی وقف" کے موضوع پر کراچی میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے تحت ایک بین الاقوامی کانفرنس ہو رہی تھی۔ حکیم صاحب نے اس کانفرنس کے مندوبین کو بہ طور مہمانانِ خصوصی مشاعرے میں مدعو کیا تھا۔ جناب تصوّر حسین حمیدی صاحب نے مائک سنبھالا اور تلاوت کے لیے سینٹ مائیکل اسکول کی تزئین زہرا کو بُلایا۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد ننھی ثمر بانو نے نعت رسول مقبولؐ پیش کی۔

مہمانوں میں شکاگو یونی ورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر جناب ڈاکٹر گریگوری کوزلووسکی میر مشاعرہ تھے۔ ان کے علاوہ ترکی کے جناب نزیف اُز ترک، رابطہ عالم اسلامی کے جناب

جناب حکیم محمد سعید صاحب نونہالوں سے باتیں کر رہے ہیں۔

---

عبداللہ العقیل ہندستان سے آئے ہوئے مندوب جناب ڈاکٹر طاہر محمود اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان شامل تھے۔

نونہالوں کے دوست جناب حکیم محمد سعید صاحب نے حاضرین سے ہلکے پھلکے انداز میں بڑی مختصر مگر مزے دار باتیں کیں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیک مانگنا سخت ناپسند تھا۔ قرض لینا اور بھیک مانگنا بُری بات ہے۔ اس سے عزت، وقار اور محبت ختم ہو جاتی ہے اور آزادی بھی جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہ ملک پاکستان ہمیں مسلسل محنت، جدوجہد اور قربانیوں کے بعد ملا ہے۔ آزادی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں قرض لے کر اپنی آزادی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ آزادی کی قدر کرو اور اس کی حفاظت کرو۔ آج ہمارے نونہال، آزادی کی باتیں شعر کی زبان میں کریں گے۔

میر مشاعرہ جناب ڈاکٹر گریگوری کوزلوسکی حاضرین سے مخاطب ہیں۔

---

حکیم صاحب کی تقریر ختم ہوئی تو نونہال ہمدرد آمنہ راشد نے شمع روشن کی۔ یہ اعلان تھا مشاعرے کے آغاز کا۔ مگر اس سے پہلے میر مجلس جناب ڈاکٹر وسکی نے حاضرین سے اردو زبان میں مختصر خطاب کیا۔ آپ نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ عام بچّوں کی انگریزی میری اردو سے بہتر ہوگی۔ انھوں نے حکیم صاحب کا مشاعرے میں بلانے پر شکریہ ادا کیا اور اس شعر پر اپنی مختصر سی تقریر ختم کی:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

ان کے منھ سے اردو سُن کر ان پر اور خود اردو پر ہمیں پیار آنے لگا۔ اور اب مشاعرے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ نونہالوں کو الگ الگ موضوع دیے گئے تھے۔ وہ گھن گرج ہوئی، وہ سماں بندھا کہ محفل جھوم اُٹھی۔ لوگوں کی بے پناہ داد اور تالیوں کے شور سے سارا ہال گونجتا رہا۔ آزادی عظمت ہے کہ عنوان پر آغا خاں گرلز پرائمری اسکول کی نونہال صائمہ محمد یوسف

شازیہ یوسف اور رابعہ سعید کا کلام ڈاکٹر کوزلووسکی توجہ سے سن رہے ہیں۔

لاہور سے آئے ہوئے نونہال شاعر حبیب الرحمٰن اصغر، صائمہ محمد یوسف اور شازیہ افتخار۔

نے اپنے مخصوص انداز سے لوگوں کے دل موہ لیے۔ ویسے ہر نونہال ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ ان کی معصومیت، شعروں کی ادائی کا انداز، معصومانہ لب و لہجے نے حاضرین کو گرما دیا۔ کراچی کے نونہالوں کے ساتھ اس محفل میں پشاور اور لاہور کے نونہال شاعروں نے بھی حصّہ لیا اور بڑی داد حاصل کی۔

مشاعرے کے آخر میں ثمر بانو نے نغمۂ نونہال پیش کیا:

جاگیں اور جگائیں ہم قولِ سعید نبھائیں

نونہال شعرا عامر ادریس، جلال الدین خاں (پشاور) اور سلیم عبدالعزیز

کرن اجمل، شمع ہاجرہ اور عبدالماجد دادِ سخن حاصل کر رہے ہیں۔

---

ان کے ساتھ تمام حاضرین نے آواز میں آواز ملا کر کورس کے انداز میں یہ نغمہ گایا۔

مشاعرہ ختم ہوا اور اب مہمانانِ خصوصی نے باری باری نونہالوں سے خطاب کیا۔ ان کے جذبات اور خیالات کی بڑی تعریف کی۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈائرکٹر جنرل پروفیسر ایس۔ ایم۔ زمان صاحب بچّوں سے بڑے متاثر نظر آرہے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ آج ہم بڑوں نے آپ نونہالوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ترکی کے جناب نذیف از ترک نے ترکی زبان میں تقریر کی جس کا ترجمہ ڈاکٹر امین اللہ وشیر نے کیا۔ آپ نے کہا تھا۔

ترکی سے آئے ہوئے مندوب
جناب نزیف اُزترک۔

رابطہ عالم اسلامی کے جناب عبداللہ العقیل۔

"مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ پاکستان اور ترکی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ میں آپ تمام نونہالوں کو دو سال بعد ترکی لے جاؤں گا۔"

ارض مقدس مکۃ المکرمہ سے آئے ہوئے رابطہ اسلامی کے جناب عبداللہ العقیل نے عربی زبان میں نونہالوں سے باتیں کیں۔

ہندوستان سے آتے ہوئے جناب ڈاکٹر طاہر محمود نے پاکستانی نونہالوں کو ہندوستانی نونہالوں کا خیر سگالی کا پیغام اور جناب حکیم عبدالحمید صاحب، صدر ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (انڈیا) کی

ہندستانی مندوب ڈاکٹر طاہر محمود
حاضرین سے خطاب کر رہے ہیں۔

ممتاز دانشور پروفیسر ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان
نونہالوں سے باتیں کرتے ہوئے۔

دعاؤں کا تحفہ پیش کیا۔ طاہر صاحب نے کہا کہ میں اگر اس مشاعرے میں شریک نہ ہوتا تو ایک بڑی خوشی سے محروم رہ جاتا۔

آخر میں ہمدرد نونہال کے مدیر اعلا اور ممتاز ادیب جناب مسعود احمد برکاتی نے نونہالوں کے جذبے، لگن اور نظموں کی تعریف کی اور ان کو اپنی صلاحیتیں بڑھانے اور ملک و قوم کے لیے استعمال کرنے کی نصیحت کی اور بیرونی ملکوں اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے فاضل مندوبین اور دانش وروں کا شکریہ ادا کیا۔

❀ ❀

جناب مسعود احمد برکاتی تقریر کر رہے ہیں۔

# Everyone loves to eat

# *mayfair* Toffees and Sweets

■ Milk Bon Bon ■ Orange Candies.
■ Coconut Candies. ■ Deluxe Toffees ■ Assorted Candies.
■ Tattoo Toffees ■ Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

**Milka Chew**
**Fruta Chew**
**Minta Chew**

*mayfair* **Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes
**big big Bubbles.**

*mayfair* The Sweet Favourites.

AFI **Asian Food Industries (Private) Limited.**
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BON BON Telex: 25482 AFI PK

# ہمدرد انسائکلوپیڈیا

س: سمندر کے نیچے سے تیل کس طرح نکالا جاتا ہے؟ افشاں سلیم، میرپور خاص

ج: دنیا میں تیل اتنی تیزی اور اس کثرت سے استعمال ہو رہا ہے کہ اب خشکی کے علاوہ سمندروں کی تہ سے بھی نکالا جا رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ اس وقت سمندروں کو جہاں دیکھ رہے ہیں وہ ہمیشہ سے وہاں موجود نہ تھے۔ ہماری زمین کی عمر پانچ ارب سال کے قریب ہے اور اس طویل عرصے میں اس پر اتنے انقلاب آچکے ہیں اور اس کے اندرونی اور بیرونی حصے اس بُری طرح اوپر نیچے ہوئے ہیں کہ کوئی چیز اپنی اصلی جگہ قائم نہیں رہی اس وقت زمین پر انسان موجود نہیں تھا۔ اسی انقلاب کی وجہ سے بہت سے جان دار زمین کی تہوں میں دب کر رہ گئے اور زبردست دباؤ کی وجہ سے تیل میں تبدیل ہو گئے۔ پھر ان بڑے بڑے گڑھوں میں بارش کا پانی بھر گیا اور وہ سمندر کہلائے۔ ان سمندروں کی تہ میں بھی تیل اسی طرح محفوظ ہو گیا جس طرح زمین کی خشک سطح کے نیچے ملتا ہے۔ سمندر سے تیل نکالنے کے لیے بھی ہم وہی طریقہ اور وہی ساز و سامان استعمال کرتے ہیں جو خشکی پر استعمال کرتے ہیں۔ پہلے تو سمندر پر ایک بڑا پلیٹ فارم قائم کیا جاتا ہے جس پر انجنیر اور اُن کا ساز و سامان ٹھیر سکے۔ پھر ڈیرک (بھاری سامان اٹھانے کا کرین) لگا کر زمین کو کاٹنے اور کھودنے والے آلات لگائے جاتے ہیں اور پانی میں اُتارے جاتے ہیں۔ ان آلات کو تہ کافی گہرائی پر ملتی ہے۔ اسے کاٹتے کاٹتے وہ اُس تہ تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تیل محفوظ ہے۔ تیل نکل آتا ہے تو پھر اُسے اوپر لانے کی ترکیب کی جاتی ہے۔ اس کام میں بڑی احتیاط برتی جاتی ہے تاکہ سمندر کا پانی تیل میں شامل نہ ہو جائے۔

س: عنصر کیا ہوتا ہے؟ دنیا میں سب سے پہلے کون سا عنصر وجود میں آیا؟

مزمّل امیر علی، کراچی

ج: دنیا کی تمام چیزیں مختلف عناصر سے مل کر بنی ہیں۔ اس لحاظ سے اسے بنیادی مادّے کی حیثیت حاصل ہے۔ ہم نے ہر عنصر کو الگ الگ نام دیا ہے، کیوں کہ ہر عنصر اپنی خصوصیات میں

دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی اندرونی بناوٹ بھی مختلف ہوتی ہے۔ دنیا کا سادہ ترین عنصر ہائیڈروجن ہوتا ہے۔ ہائیڈروجن کے ایٹم کے مرکزے پر صرف ایک پروٹون ہوتا ہے اور اس کے چاروں طرف صرف ایک ہی مدار یا حلقہ ہوتا ہے، جس پر صرف ایک الیکٹرون گردش کرتا رہتا ہے۔

س: مٹّی کے بنے ہوئے مکانات کنکریٹ کے بنے ہوتے مکانوں کے مقابلے میں ٹھنڈے کیوں ہوتے ہیں؟
ظہیر حسن، حیدرآباد

ج: یہ مسئلہ ہے حرارت کے سرایت کرنے یا منتقل ہونے کا۔ بعض چیزیں گرمی کی اچھی موصل ہیں، یعنی حرارت ان میں سے آسانی سے گزر جاتی ہے اور بعض چیزوں میں سے نہیں گزرتی۔ مثلاً آپ جلتی ہوئی لکڑی کا دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ لیکن اگر لوہے کی ایک سلاخ کا ایک سرا آگ میں رکھیں تو تھوڑی دیر بعد ہی دوسرا کھلا سرا اتنا گرم ہو جائے گا کہ آپ اسے چھو نہیں سکیں گے، کیوں کہ لکڑی حرارت کی اچھی موصل نہیں ہے جب کہ لوہا حرارت کا اچھا موصل ہے۔ یہی حال کچی مٹّی اور کنکریٹ کا ہے۔ کچی مٹی میں سے حرارت آسانی سے نہیں گزر سکتی، اس لیے کچے مکانات گرمیوں میں ٹھنڈے رہتے ہیں جب کہ سیمنٹ اور کنکریٹ وغیرہ میں سے حرارت آسانی سے گزر جاتی ہے اس لیے ان کے بنے ہوئے مکانات گرمیوں میں جلد گرم ہو جاتے ہیں اور ان میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

س: جب ہم چھینکتے ہیں تو اس سے پہلے ناک میں کھجلی کیوں محسوس ہوتی ہے؟
محمد عرفان برنی، کراچی

ج: پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ چھینک اصل میں ہے کیا۔ چوں کہ ہماری ناک کے نتھنے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور ہم اُن کے ذریعہ سے مستقل طور پر سانس لیتے اور چھوڑتے ہیں، اس لیے سانس کے ساتھ مختلف جراثیم کے اندر جانے کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ ان جراثیم میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ ان کے علاوہ سردی گرمی بھی ناک میں داخل ہو سکتی ہے۔ جب آپ کسی ٹھنڈے کمرے سے باہر گرمی میں نکلتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کی ناک متاثر ہوتی ہے اور کبھی کبھی آپ کو درجۂ حرارت کے اس فرق کی وجہ سے چھینک بھی آجاتی ہے۔ قدرت نے ان جراثیم اور گرمی سردی کے فرق کو دور کرنے کے لیے ہمیں چھینک ایک ہتھیار کے طور پر عطا کی ہے۔ جب یہ حملہ آور ناک میں داخل

ہوتے ہیں تو ہمیں ناک کی نازک جھلی پر ہلکی سی سرسراہٹ، تحریک یا کُھجلی سی محسوس ہوتی ہے اور قدرت کا بخشا ہوا یہ خودکار نظام حرکت میں آتا ہے۔ ہمیں چھینک آتی ہے جو بڑے زور سے ان حملہ آوروں کو باہر پھینک دیتی ہے اور ہم ان کے نقصان سے محفوظ رہتے ہیں۔

س: خلائی اسٹیشن کیا ہے، یہ کس کام آتا ہے؟ ظہیر حسن، حیدرآباد

ج: ابھی تک خلا میں کوئی خلائی اسٹیشن ایسا قائم نہیں کیا گیا جو زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہو اور اس پر خلاباز رہ رہے ہوں۔ البتہ نظریاتی طور پر سائنس داں اسے ممکن اور قابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے زمین کی کشش سے چاند یا انسان کے چھوڑے ہوئے مصنوعی سیارے اس کے چاروں طرف گردش کر رہے ہیں۔ روس اور امریکا کے بہت سے خلاباز خلا میں زیادہ سے زیادہ ٹھیرنے کا کام یاب تجربہ کر چکے ہیں۔ وہ اپنے راکٹ سے باہر نکل کر خلا میں سیر کر چکے ہیں اور وہاں کچھ دیر ٹھیر بھی چکے ہیں۔ ان تجربات کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ زمین سے تعمیر کا سامان خلا تک راکٹ میں پہنچا کر اور اس کو آپس میں جوڑ کر خلائی اسٹیشن بنایا جاسکتا ہے جس میں خلا اور کائنات پر تجربات کرنے کے آلات ہوں گے اور خلابازوں کے قیام کرنے کا بندوبست ہوگا۔ یہ خلائی جہاز مستقل طور پر زمین کے چاروں طرف گردش کرتا رہے گا۔ اُس میں زمین والوں کے ساتھ بات چیت کرنے اور پیغام رسانی کا بھی معقول بندوبست ہوگا۔ راکٹ یہاں سے وہاں تک جاتے رہیں گے اور واپس آتے رہیں گے۔ امید ہے کہ کائنات پر جتنے اچھے اور واضح تجربات خلا سے کیے جاسکیں گے وہ زمین سے نہیں کیے جاسکتے۔ اس قسم کی قیام گاہ کو خلائی اسٹیشن کہا گیا ہے۔

س: برقی روشنی ہمیشہ خطِ مستقیم میں کیوں چلتی ہے؟ نور محمد، کھلابٹ ٹاؤن شپ

ج: ہم جانتے ہیں کہ روشنی ایک قسم کی توانائی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نہایت تیزی سے پہنچ جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے خطِ مستقیم میں چلنے کا آسان تجربہ آپ نے کیا ہوگا اور اپنی کتاب میں بھی پڑھا ہوگا۔ جب آپ کسی اندھیرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں جس میں کسی باریک سوراخ سے روشنی آرہی ہو تو آپ گرد کے ذرّات کی مدد سے اس روشنی کا راستہ آسانی سے دیکھ سکتے ہیں جو ہمیشہ سیدھا ہوتا ہے۔ یعنی روشنی کی کرنیں ہمیشہ سیدھی چلتی ہیں اور اگر ان کے راستے میں کوئی رُکاوٹ آتی ہے تو وہ رُک جاتی ہیں اور اس کے اندر سے نہیں گزرتیں۔ اس طرح اس رکاوٹ کا سایہ بن جاتا ہے۔

قائد اعظمؒ نے فرمایا

”تعلیم کے بغیر ظلمت اور تاریکی ہے“

۲۵ / نومبر ۱۹۴۵ء پشاور

اس ارشاد کی تکمیل کے لئے وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو کے
پانچ نکاتی پروگرام میں تعلیم کو اہم درجہ دیا گیا ہے

☆ اسلامی جمہوریت کا استحکام
☆ مساوات پر مبنی معاشی نظام کا فروغ
☆ رشوت، بے انصافی اور بدعنوانیوں کے خلاف جہاد
★ جہالت کا خاتمہ اور قوم کو جدید سائنسی دور سے ہمکنار کرنا
☆ قومی اتحاد کو مضبوط بنانا

ہم
آج کے دن
اللہ تعالیٰ کے حضور
اس مقصد کی تکمیل کے لئے
ہر ممکن کوشش کرنے کا عہد کرتے ہیں

نیشنل بینک آف پاکستان

# اخبار نونہال

## بغیر مچھلی کا دریا

کولمبیا کا دریا رائیو وفاگری دنیا میں وہ واحد دریا ہے جس میں کوئی مچھلی نہیں ہے۔ دراصل اس دریا کا پانی اتنا کھٹا ہے کہ کوئی مچھلی اس میں زندہ نہیں رہ سکتی۔

مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

## دنیا کا سب سے وزنی بچّہ

اس بچّے کا نام ستھن ہے اور اس کا تعلق افریقہ سے ہے۔ پیدائش کے وقت اس کا وزن ۱۰ کلو گرام سے زیادہ تھا۔ صرف ۹ ماہ کی عمر میں اس کا وزن ۲۵ کلو گرام ہے۔ جب یہ بچہ روتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے شیر دہاڑ رہا ہے۔

مرسلہ: عارفہ جبین کاکڑ، کوئٹہ

## سب سے بڑا ڈھول

دنیا کا سب سے بڑا ڈھول ڈنمارک کا "باس ڈرم" ہے۔ اس کا قطر ۱۰ فیٹ چھے انچ اور وزن ۴۵۰ پونڈ ہے۔ اسے ۱۹۶۱ء میں ریموانکار پوریٹڈ نامی کمپنی نے تیار کیا تھا۔ اسے پہیوں پر رکھا گیا ہے۔

مرسلہ: محمد زاہد خان، روہڑی

## ننھا ڈرائیور

نیویارک میں ایک پانچ سال کا بچہ اپنی چھوٹی بہن کو سیر کرانے کے لیے اپنے والدین کی ویگن اسٹارٹ کرکے ۲۰۴ کلومیٹر تک لے گیا۔ اس نے یہ ویگن نیویارک کی ایک بھیڑ بھاڑ والی سڑک پر چلائی اور بھرپور ٹریفک ہونے کے باوجود اسے کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ اس کی ننھی بہن ڈر سے چیختی رہی۔ ایک پولیس افسر نے جب ایک تین فیٹ اونچے ننھے ڈرائیور کو ویگن چلاتے دیکھا تو وہ اس کا دروازہ کھول کر ویگن میں سوار ہوگیا اور گاڑی کو روک لیا۔ بعد میں اس پانچ سالہ ننھے ڈرائیور اور اس کی بہن کو گھر پہنچا دیا گیا۔

مرسلہ: عمران بیگ، کراچی

سلسلہ ۲۶۵

# معلومات عامّہ

اس بار بھی سوالات کی تعداد دس ہے۔
تصویریں صرف دس جوابات صحیح بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ مئی ۱۹۸۸ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے بھی اپنا نام اور شہر کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام میں ابوبکر آپ کی کنیت ہے اور صدیق آپ کا لقب ہے۔ بتائیے آپ کا اصل نام کیا تھا؟

۲۔ سلامتی کونسل میں پہلی بار قرآن کریم کی تلاوت کس قاری نے کی؟

۳۔ اردو کے ایک بہت ہی مشہور عوامی شاعر کا اصل نام میاں ولی محمد ہے۔ کیا آپ کو اُن کا تخلص معلوم ہے؟

۴۔ ناتیجریا براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کب آزاد ہوا تھا؟

۵۔ "بی بی ایس" کس ملک کی خبر رساں ایجنسی کا نام ہے؟

۶۔ کس پھل سے تاب کاری کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں؟

۷۔ بتائیے صوفیہ کس ملک کا دارالخلافہ ہے؟

۸۔ دنیا کا وہ کون سا ملک ہے جس میں ریلوے نہیں ہے؟

۹۔ کیا آپ کو ترکی کے بابائے قوم کمال اتاترک کی سیاسی جماعت کا نام معلوم ہے؟

۱۰۔ سناگاگ کس مذہب کی عبادت گاہ کا نام ہے؟

# ایک سائنسی نمائش

نازیہ رمضان

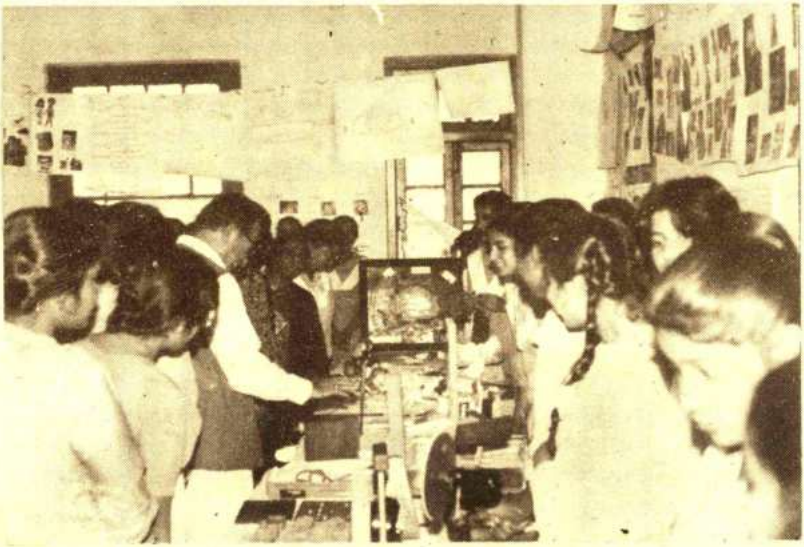

"سائنس پڑھو! آگے بڑھو!" یہ مقولہ اب بہت پُرانا ہو چکا ہے۔ آج صرف سائنس پڑھنے ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس میدان میں عملی مظاہروں کی بھی سخت ضرورت ہے، کیوں کہ آج کا دَور سائنس اور ٹکنالوجی کا دَور ہے۔ پاکستان کے طلبہ وطالبات اس طرف بھرپور توجہ دے رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر طلبہ وطالبات کی سائنس نمائشیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

۲۲۔ ۲۱ فروری ۱۹۸۸ء کو گورنمنٹ کالج برائے طالبات (شاہراہ لیاقت) نے کالج کی سائنس سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ایک دوروزہ سائنسی نمائش کا انتظام کیا۔ اس میں کراچی کے دس اسکولوں اور تیرہ کالجوں کے طلبہ و طالبات نے حصّہ لیا۔ نمائش میں تین سو پچاس

سے زیادہ، سائنسی ماڈل، پروجیکٹ اور ایجادات کی نمائش کی گئی۔ جناب ڈاکٹر اطہر علی صدیقی ڈائرکٹر کالج ایجوکیشن نے ۲۱ فروری کو اس نمائش کا افتتاح کیا۔

کالج کے گراؤنڈ فلور پر اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ تھے اور پہلی منزل پر طالبات تھیں۔

نمائش میں ہم نے بہت کچھ دیکھا اور ایسی ایسی حیرت انگیز ایجادیں دیکھیں کہ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ہمارے طالبِ علم سائنس دانوں کا کمال ہے۔ ہمیں ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی جادونگری میں گھوم رہے ہیں۔ جادوئی الارم، ہیلے کاپٹر، کمپیوٹر کنٹرول روبوٹ، الیکٹرانک پھول، بولنے والی گھڑی، واکی ٹاکی، سلائیڈ پروجیکٹر، برقی مقناطیسی کرین غرض کس کس چیز کا ذکر کیا جائے۔ ہر چیز کی تفصیل اور خوبیاں بتانے کے لیے شاید نونہال کے صفحات بھی کم پڑ جائیں۔

۲۲ فروری کو تقسیم انعامات کی تقریب ہوئی۔ مہمان خصوصی تھے جناب سلیم محمود، چیئرمین سپارکو۔ آپ نے اپنے خطاب میں اس نمائش کی اور اس میں حصہ لینے والے تمام طلبہ وطالبات

گورنمنٹ کراچی کالج کی طالبہ انعام حاصل کر رہی ہیں۔

کی بہت تعریف کی اور اس بات پر زور دیا کہ آئندہ بھی اس قسم کی نمائشوں کا اہتمام کیا جائے۔ اس سے بچوں کو اس میدان میں اپنی صلاحیتیں بڑھانے کا بھرپور موقع ملے گا۔ آپ نے اس کو ایک منفرد نمائش قرار دیا، کیوں کہ اس کو ایک گرلز کالج نے منعقد کیا تھا۔ بعد میں اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ وطالبات کو انعامات دیے گئے۔

**اسکولوں میں انعام پانے والے:**

فزکس میں محمد یونس اور محمد امین، آغا خان بوائز اسکول، کھارادر (اوّل) سجاد احمد، ناصرہ اسکول نمبر ۲ (دوم) ماجد قادر، دہلی بوائز اسکول (سوم)۔ بائلوجی میں قمر سلام، ناصرہ اسکول نمبر ۱ (اوّل) زبینہ، آغا خاں اسکول، کریم آباد (دوم) اسلم عبدالرزاق، آغا خاں اسکول، کھارادر (سوم)۔ ریاضی میں صائمہ اور بشریٰ، آغا خاں اسکول کریم آباد (اوّل) شفقت اللہ خاں، ناصرہ اسکول (دوم) سید جواد احمد، آغا خاں اسکول کریم آباد (سوم)۔ کیمسٹری میں عمر فاروق، ناصرہ اسکول نمبر ۲ (اوّل)۔ جغرافیہ میں کامران قاسم، آغا خاں اسکول، کریم آباد (خصوصی انعام)۔

**کالجوں میں انعام پانے والے:**

کیمسٹری میں ثمینہ قادر، گورنمنٹ کراچی کالج (اوّل) نوید شفیع، گورنمنٹ کالج برائے طلبہ، ناظم آباد (دوم) فراز فیروز، ڈی۔ جے کالج (سوم)۔ بوٹنی میں محمد قاسم اور مہتاب تقی، ڈی۔ جے۔ کالج (اوّل) سعدیہ، صدف اور نورین، گورنمنٹ کالج، کورنگی (دوم) کوثر پروین اور اسماء نورین، گورنمنٹ کراچی کالج، (سوم)۔ زدلوجی میں محمد راشد گورنمنٹ کالج برائے طلبہ، ناظم آباد (اوّل) نازیہ، گورنمنٹ کالج کورنگی (دوم) روبینہ قادر، سرسید گرلز کالج (سوم)۔ فزکس میں فاروق ضمیر، اعجاز احمد اور غوث محی الدین، گورنمنٹ کالج، ناظم آباد (اوّل) ثمینہ ناز اور نائلہ امان، گورنمنٹ کراچی کالج (دوم) الیکٹرونکس میں کاشف خالد، ڈی۔ جے۔ کالج (اوّل)۔ جغرافیہ میں خصوصی انعام گورنمنٹ کراچی کالج کو اور انفرادی خصوصی انعام محمد جُنید احمد، ڈی۔ جے۔ سائنس کالج کو دیا گیا۔ سائیکالوجی میں دو خصوصی انعام اردو آرٹس کالج اور گورنمنٹ کراچی کالج نے حاصل کیے اور ایلیا زیدی، پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس کالج انفرادی خصوصی انعام کی حق دار قرار پائیں۔ ناہید حفیظ نے تلاوت کی اور راحت اسماعیل نے نعت پیش کی تقریب کی میزبان نازیہ رمضان نے سپاس نامہ اور سائنس سوسائٹی کی رپورٹ پیش کی۔ سائنس سوسائٹی کی انچارج پروفیسر ڈاکٹر عقیلہ اسلام نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ پرنسپل بیگم رضیہ قاضی نے بھی تقریر کی۔

اللہ کے لیے اس بار مرزا جی سے عیدی نہ لینا، تمھاری
ایک عیدی کے بدلے مجھے ان کے بچوں کو ایک درجن
عیدیاں دینی پڑی تھیں۔

عید کا دن ہے، آج تو اللہ کے
نام پر کچھ دے دو۔
سال بھر کے بعد تو عید کا چاند اور تم نظر
آتے ہو، آج بچ کے نہ جا سکو گے۔

علّامہ دانش کے سفرنامے

# نیلی ریت کا جزیرہ

## معراج

ہم بہت دنوں سے بے کار بیٹھے تھے۔ دفتر میں کوئی کام نہیں تھا۔ آزو نا دن بھر قہوہ بنا بنا کر پلاتا رہتا۔ ہم لوگ گپ شپ میں دن گزارتے یا پھر تاش اور شطرنج کھیلتے رہتے آخر ایک دن علامہ دانش کو ایک تار موصول ہوا۔ حکومت انڈونیشیا نے ان سے فوراً پہنچنے کی فرمائش کی تھی۔

ہم انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتا پہنچے۔ ہمارے استقبال کے لیے ڈاکٹر خورشید سربانتو ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ علامہ دانش ڈاکٹر رشید سے بہت تپاک سے ملے۔ انھوں نے کہا، "یہ میرے بہت پرانے دوست ڈاکٹر رشید سربانتو ہیں۔ یہ ملک کے مشہور سائنس داں ہیں۔

ڈاکٹر آج کل ایٹمی توانائی کے پُر امن استعمال پر تحقیق کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر رشید سر یا نتو لمبے قد کا، دُبلا پتلا بوڑھا شخص تھا۔ لباس پر شکنیں پڑی ہوئی، گنجا سَر اور آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ کتابوں میں غائب دماغ پروفیسروں کا جو حال اور حُلیہ درج ہوتا ہے، ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر وہ سب، انہیں یاد آنے لگیں۔

رات کے وقت ڈاکٹر رشید نے ہمیں بتایا "میں نے آپ کو مرغابی کے انڈے دکھانے کے لیے یہاں بُلوایا ہے۔"

میں اور مرشد ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ مرشد آہستہ سے بولا "یہ بھی کوئی دکھانے کی چیز ہے؟"

ڈاکٹر رشید ایک ٹوکری اُٹھا کر لائے۔ اس میں کچھ انڈے رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا، "مرغابیاں سردیوں کے موسم میں جزیرہ سلمانیہ میں آتی ہیں اور موسم سرما (سردی) گزار کر واپس چلی جاتی ہیں۔"

علامہ بے زاری سے بولے، "بھئی ان انڈوں میں ایسی کیا خوبی ہے جسے دکھانے کے لیے آپ نے ہمیں بلوایا ہے؟"

ڈاکٹر رشید نے کھڑکیوں کے پردے گرا دیئے اور بولے، "اب میں آپ کو وہ حیرت انگیز بات دکھاؤں گا جو پہلے آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔"

یہ کہتے ہی ڈاکٹر نے بٹن دبا کر روشنی بجھادی۔ پھر ہم نے حیرت انگیز اور بے حد دل چسپ تماشا دیکھا۔ ان انڈوں سے تیز دودھیا سفید رنگ کی روشنی خارج ہونے لگی۔ ہم دیر تک یہ روشنی دیکھتے رہے۔ نہ جانے آزونا کو کیا سوجھی کہ اس نے اپنی جیب سے تسبیح نکالی اور اسے اِدھر اُدھر جھلانے لگا۔ اس تسبیح کے دانے رات کے اندھیرے میں چمکتے تھے۔ علامہ دانش ایک لمبا سانس لے کر بولے "بے شک یہی بات ہوگی۔ فاسفورس اور اس کے مرکّبات اندھیرے میں چمکتے ہیں۔ ان انڈوں میں فاسفورس کی کچھ مقدار موجود ہوگی۔"

ڈاکٹر رشید نے بٹن دبایا اور کمرا روشن ہوگیا۔ وہ بولے، "پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا کہ ان انڈوں میں فاسفورس ہے جس کی وجہ سے یہ رات کے وقت چمکتے ہیں، لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ انڈوں میں چمک کی وجہ نیلی ریت ہے۔"

ڈاکٹر رشید نے ذرا دیر کے بعد پھر کہا، "یہ مُرغابیاں جزیرہ سلمانیہ پر سردی کا موسم گزارنے آتی ہیں۔ وہ ریت کے ذرّات کھا جاتی ہیں۔ وہ یہ ریت کیوں کھاتی ہیں؟ میرا خیال ہے کہ وہ دانہ دُنکا ہضم کرنے کے لیے ریت پھانک جاتی ہیں۔ یہی ذرّات ان کے انڈوں میں پہنچ جاتے ہیں اور ان کے چمکنے کا سبب بنتے ہیں۔ کہیے کیا یہ ایک دل چسپ کہانی نہیں ہے؟"

ہم ایک آواز ہو کر بولے، "بے شک، بے شک۔"

ڈاکٹر رشید نے کہا، "جب میں نے تحقیق کی تو یہ بات سامنے آئی کہ یہ ریت ریڈیم کی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے۔"

مرشد نے کہا، "ریڈیم تو وہ دھات ہے جو ایٹم بم میں استعمال ہوتی ہے۔"

میں بولا، "میرا خیال ہے کہ ریڈیم کا حاصل کرنا بے حد مشکل کام ہے۔"

ڈاکٹر رشید نے کہا، "اُسی ریڈیم کی جگہ یہ ریت آسانی سے استعمال کی جا سکتی ہے۔ اور سلمانیہ کے جزیرے میں یہ ریت بہت بڑی مقدار میں موجود ہے۔"

علامہ دانش خوشی کے مارے ڈاکٹر صاحب سے لپٹ ہی تو گئے، وہ بولے، "مغربی ملک ہمیں غریب ہونے کا طعنہ دیتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب ہمارے پاس ریڈیم ہے۔ ہم امیر ہیں، ارے ہم امیر ہیں۔"

دونوں بڈھے خوشی کے مارے ناچنے لگے۔ یہ دیکھ کر ہم اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ پہلے تو مرشد اپنے منھ پر رومال رکھ کر بھاگا۔ اس کے پیچھے میں اور آزونا بھی کمرے سے باہر نکل گئے۔ کافی دیر بعد ہم کمرے میں واپس آئے۔ مرشد نے پوچھا، "ڈاکٹر صاحب، یہ فرمائیے کہ ہم اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر صاحب نے کہا، "میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ جا کر اس ریت کا ایک ڈبّا بھر کر لاؤں۔ میرے دوست دانش، میں نے تمھارے ساتھ رہ کر بہت کام کیے ہیں، میں چاہتا ہوں یہ کارنامہ بھی تمھارے ساتھ ہی پورا کروں۔"

مرشد بولا، "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ جزیرہ سلمانیہ کہاں ہے؟"

ڈاکٹر نے کہا، "یہ بات تم لوگ جانتے ہی ہو کہ ہمارا ملک انڈونیشیا بہت سے جزیروں پر مُشتمل ہے۔ ان میں سے بہت سے جزیرے تو بہت چھوٹے ہیں، اتنے چھوٹے کہ ان پر انسانی

آبادی نہیں ہے۔ کچھ جزیرے سمندر میں ڈوبتے اُبھرتے رہتے ہیں۔ یہ جزیرہ سلمانیہ ملک کے بالکل آخری کونے پر واقع ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے وجود میں آیا ہے۔"

مرشد نے کہا، "وہاں جہاز اُتارنے کے لیے کوئی مناسب جگہ بھی ہے یا نہیں؟ ہمارا جہاز سمندر اور خشکی دونوں جگہ پر اُتر سکتا ہے۔"

ڈاکٹر رشید نے کہا، "سلمانیہ کے پاس سمندر میں چٹانیں ہیں۔ اس لیے وہاں جہاز کا اُتارنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس جزیرے سے تھوڑی دُور جزیرہ کارا بُوبا میں جہاز اُتارا جا سکتا ہے۔"

مرشد بولا، "آپ چاہتے ہیں کہ ہم ریت کا ایک ڈبّا بھر کر لے آئیں۔"

ڈاکٹر نے کہا، "بے شک، میں یہی چاہتا ہوں۔"

علامہ دانش جلدی سے بولے، "یہ کام فوراً ہو جانا چاہیے، کیوں کہ اگر دوسرے ملکوں کو اس ریت کا علم ہو گیا تو وہ اس جزیرے پر حملہ کر دیں گے۔"

اگلے دن ہم جزیرہ سلمانیہ پر پرواز کر رہے تھے۔ راستے میں ہم بہت سے چھوٹے اور بڑے جزیروں پر سے گزرے۔ علامہ دانش بولے، "قدرت نے اس علاقے کو بے پناہ خوب صورتی اور حُسن عطا فرمایا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے ہیرے اور موتیوں کا ہار ٹوٹ کر سمندر کی سطح پر بکھر گیا ہو۔"

ڈاکٹر رشید نے جزیرے کا ایک نقشہ بنا کر ہمیں دے دیا تھا۔ اس لیے سلمانیہ کو تلاش کرنا ہمارے لیے آسان ہو گیا تھا۔ مرشد بولا، "میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ سلمانیہ ہونا چاہیے۔"

ڈاکٹر رشید داڑھی کھجا کر بولے، "میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ جزیرہ سلمانیہ ہے، لیکن یہ تھوڑے ہی دِنوں میں کتنا بدل گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے اس کی پہاڑی دو حصّوں میں ٹوٹ گئی ہے۔ شاید یہاں کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہے۔ کیا تم جہاز کو کارا کا بُوبا کے آس پاس اُتار سکتے ہو؟"

مرشد بولا، "اگر سمندر میں طوفانی لہریں اُٹھنے لگیں تو ہمارا جہاز ڈوب بھی سکتا ہے۔"

مرشد جہاز کو کارا کا بوبا کی طرف لے چلا۔ وہ خشکی پر اُتارنے کا پروگرام بنا ہی رہا تھا کہ ایک اور مصیبت پیش آ گئی۔ جزیرے کے لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ ان کے ہاتھوں میں

نیزے اور برچھیاں تھیں۔ وہ ہماری طرف منھ کر کے چیخ رہے تھے اور نیزے ہوا میں لہرا لہرا کر اپنے غصّے کا اظہار کر رہے تھے۔

ڈاکٹر بولا "خبردار! جہاز کو جزیرے پر اُتارنے کی غلطی نہ کرنا۔ مجھے ان مقامی لوگوں کے تیور خطرناک دکھائی دیتے ہیں۔"

علامہ دانش بولے: "میرا خیال ہے کہ ان پر کوئی آفت آئی ہے اور وہ ہمیں اس تباہی کا ذمّے دار سمجھتے ہیں۔"

مجبور ہو کر مرشد نے اپنے جہاز کو جزیرے سے کچھ دُور آگے سمندر میں اُتار لیا۔ مقامی باشندے ابھی تک غصّے اور نفرت سے چیخ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ہی ہم جزیرے پر قدم رکھیں گے تو وہ ہماری تکا بوٹی کر دیں گے۔

دن بھر اسی حال میں گزر گیا۔ سمندر پُرسکون تھا۔ ڈاکٹر نے کہا، "سمندر کے اوپر بھورے رنگ کے جھاگ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہے۔"

علامہ دانش بولے، "انڈونیشیا میں بہت سے آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ جب مشہور پہاڑ کراکاٹوا پھٹا تھا میں اس کے نزدیک ہی موجود تھا اور ایک جہاز پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے وہ خوف ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

شام کے وقت دس بارہ افراد ایک کشتی میں سوار ہو کر ہمارے جہاز کے پاس آئے۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی دوستانہ ارادے سے نہیں آئے ہیں۔ آزونا، مرشد اور میں مقابلے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک آدمی نے جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا کسی غیر زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہا۔ ڈاکٹر صاحب بہت نرمی سے انھیں سمجھاتے رہے۔ آخر وہ لوگ واپس چلے گئے۔

مرشد نے پوچھا، "یہ لوگ کیا کہتے تھے؟"

ڈاکٹر نے کہا، "وہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ تم نے اگنی (آگ کے دیوتا) کو ناراض کر دیا ہے۔ تم لوگ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ وہ تمھیں بھسم (جلا کر خاک) کر دے گا۔"

علامہ بولے، "میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی آتش فشاں پھٹا ہے، یہ لوگ اسی کے متعلق بتا رہے ہوں گے۔"

رات کے وقت ہم نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ جزیرہ سلمانیہ سے سفید دودھیا رنگ کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس سے آس پاس کا علاقہ روشن ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی برچھی کی نوک جیسی آگ کا شعلہ سلمانیہ کی چٹان سے نکلتا اور کچھ دیر لہرا کر غائب ہو جاتا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا، "یہ روشنی اسی نیلی ریت سے نکل رہی ہے۔"

ہم کیبن میں بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے۔ اچانک ایک گرج سُنائی دی۔ ہمارے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ دھماکا کس جگہ ہوا تھا لیکن یہ جگہ ہمارے آس پاس ہی کہیں پر تھی۔ پھر اچانک ایک تیز لہر سے جہاز ڈگمگانے لگا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے یہ گرج اور دھماکے کی آوازیں رات بھر سنائی دیتی رہیں۔ زور دار لہروں سے ہمارا جہاز ہچکولے کھاتا رہا۔ ایک دھماکا تو اتنا زور دار تھا کہ ہم سب اُچھل پڑے۔ آزونا سہمی ہوئی آواز میں بولا، "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ دھماکا ہمارے قدموں کے نیچے ہوا ہے۔ شاید ہم کسی آتش فشاں کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

میں نے کہا، "اگر وہ منحوس قبائلی ابھی تک یہاں موجود ہیں تو ان کے کباب بن جائیں گے۔"

مرشد بولا، "کچھ اپنی خبر بھی ہے اچھے میاں! تم بھی تو اسی پہاڑ کی چوٹی پر تشریف رکھتے ہو۔"

علامہ بولے، "وہ قبائلی یہاں سے فرار ہو چکے ہوں گے۔"

اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی۔ دن کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ دُور دُور تک کیچڑ کے بڑے بڑے دَل تیرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سلمانیہ کی پہاڑی ابھی تک موجود تھی لیکن اس کی بلندی پہلے سے کم رہ گئی تھی۔

مرشد بولا، "مقامی لوگ تو رات کے وقت یہاں سے فرار ہو گئے۔ اب تم لوگ بھی یہاں سے چل پڑو۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ہم کسی بھی لمحے بھک سے اُڑ جائیں گے۔"

ڈاکٹر رشید سرپا نتو جو دُوربین لگائے سلمانیہ کی پہاڑی کو بہت دیر سے دیکھ رہے تھے چیخ کر بولے، "او ہو، یہ تو ڈوب رہا ہے۔"

ہم نے غور سے دیکھا، واقعی جزیرہ سلمانیہ آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ علامہ حسرت بھری آواز میں بولے، "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔"

علامہ بولے، "کاش کہ یہ کچھ دیر اور ٹھیر جائے۔ ہم ایک ڈبّا ریت کا بھر لیں۔ اس کے

بعد ہماری بلا سے، یہ پہاڑ رہے یا جائے بھاڑ میں۔"

ہم نے ایک کشتی سمندر میں اُتاری۔ ابھی ہم اس میں اُترنے والے ہی تھے کہ فضا پھر بوجھل بوجھل سی محسوس ہونے لگی۔ آزونا بولا، "یہ طوفان آنے سے پہلے کی علامت (نشانی) ہے۔"

اس کی پیش گوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا۔ مرشد بولا، "میرا مشورہ ہے کہ آپ وہاں نہ جائیے۔ خطرہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔"

علامہ دانش بولے، "میری جان رہے یا جائے۔ میں خود وہاں جاؤں گا اور ایک ڈبّا ریت سے بھر کر لاؤں گا۔"

وہ سیڑھی سے نیچے اُترنے لگے۔ علامہ نے پھر کہا، "میرے واپس آنے سے پہلے اگر سمندر میں طوفانی لہریں آنے لگیں تو میرا انتظار نہ کرنا اور جہاز کو اڑا کر لے جانا۔"

آزونا بولا، "آپ اکیلے نہیں جائیں گے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

ان کی دیکھا دیکھی، میرے اندر بھی جوش پیدا ہوا۔ میں بھی چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ مرشد اور ڈاکٹر رشید ہمیں آوازیں دیتے رہ گئے، "ارے اپنی جان کو خطرے میں مت ڈالو۔ واپس آجاؤ۔"

لیکن ہم کشتی میں سوار ہو چکے تھے۔ ہمارے چاروں طرف کیچڑ اور جھاگ دار لاوا پھیلا ہوا تھا۔ اس کیچڑ میں چپّو چلانا بے حد دشوار کام تھا۔ ہم بڑی کوشش کے بعد سلمانیہ جزیرے تک پہنچ پائے۔ اس وقت چٹان کا زیادہ حصّہ سمندر میں ڈوب چکا تھا، مٹّی کا ایک تودہ سا باقی رہ گیا تھا۔

آزونا نے اس تودے پر چھلانگ لگا دی۔ اس نے ابھی آدھا ڈبّا بھرا ہوگا کہ سمندر کا پانی تودے کے اوپر پھیل گیا۔

آزونا کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ علامہ نے آواز دی، "اب واپس آجاؤ۔"

آزونا بہت مشکل سے کشتی پر سوار ہو سکا۔ جزیرے کا باقی حصّہ بھی بہت تیزی سے پانی میں ڈوبنے لگا۔ کشتی کے چاروں طرف کیچڑ کی موٹی تہ جمع ہو گئی۔ گندھک کے دُھویں سے دم گھٹنے لگا۔ اس دَل دَل میں چپّو چلانا اور بھی زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ ہم کو بہت محنت کرنی

پڑی۔ جب ہماری کشتی جہاز کے پاس پہنچی تو مرشد نے رسّی کا زینہ لٹکا دیا۔ ہم باری باری جہاز میں سوار ہو گئے۔ جزیرہ سلمانیہ پورے طور سے پانی میں ڈوب چکا تھا۔ میں نے علامہ کو کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن اس دن وہ ڈاکٹر سے لپٹ کر خوب روتے۔ وہ بار بار کہتے، "قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ انڈونیشیا بھی امیر ممالک کی صف میں شامل ہو۔ اگر یہ نیلی مٹّی کا جزیرہ غرق نہ ہوتا تو انڈونیشیا سب سے امیر ملک شمار ہوتا۔"

مرشد بولا، "اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اب یہی دیکھیے کہ اگر یہ جزیرہ باقی رہتا تو دنیا کے سب بڑے بڑے ملک اس پر قبضہ کرنے کے لیے دوڑ پڑتے اور بہت خون خرابہ ہوتا۔"

اس نیلی مٹّی کا کیا ہوا؟ کیا حکومت انڈونیشیا نے اسے کسی مفید کام میں استعمال کیا یا نہیں؟ میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔

---

## طِبّ کے پیشے سے وفاداری

ہندستان کے مشہور بادشاہ شاہ جہاں کے دربار میں ایک طبیب تھے، جن کا نام مکرّم خان تھا۔ ۱۶۵۸ء میں شاہ جہاں کے بیٹے شہزادہ اورنگ زیب نے بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور اپنے باپ کو قید کر دیا۔ شاہ جہاں بیمار پڑ گئے۔ اورنگ زیب نے مکرّم خاں کو بُلوایا اور انھیں حُکم دیا کہ شاہ جہاں کو دَوا کے بہانے زہر دیا جائے۔ حکیم مکرّم خاں نے سوچا کہ طب تو انسان کی زندگی بچانے کے لیے ہے، میں اسے جان لینے کے لیے کیسے استعمال کروں؟ حکیم مکرّم خاں یہ بھی جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اورنگ زیب کا حکم نہیں مانا تو اس کی سزا صرف موت ہوگی۔

انھوں نے کافی غور کرنے کے بعد اس کا یہ حل نکالا کہ شاہ جہاں کو زہر دینے کے بجائے خود کھا لیا۔ اس طرح انھوں نے طب کے اخلاقی اصولوں کو توڑنے کے بجائے خود مرنا پسند کیا۔ حکیم مکرّم خان کے اس فیصلے سے ایک فائدہ یہ بھی ہُوا کہ اورنگ زیب نے شاہ جہاں کی جان لینے کا فیصلہ بدل دیا اور شاہ جہاں اس کے بعد آٹھ برس تک اور زندہ رہے۔

مرسلہ: کلثوم ظفر ناگوری، جھڈّو، سندھ۔

# نونہال مصوّر

امداد علی نازیجہ
ٹنڈو جام

حامد علی شاہد لاڈہ

مسعود وزیر، شاہ فیصل کالونی

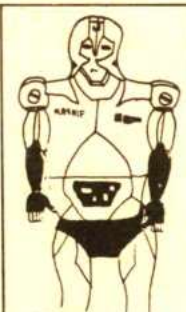

کاشف ابوبکر، مکہ مکرمہ

نعمان احمد، کراچی

ارم جان، کراچی

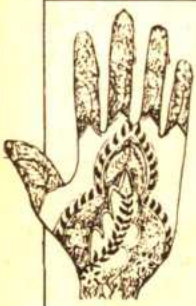

صائمہ انور، کراچی

مہا، کراچی

کاشف حسن، شمالی کراچی

ہما وقار، کراچی

Adarts-HTP-3/85

# مُسکراتے رہو

● ایک صاحب نے کسی فلسفی سے پوچھا، "حضرت! کیا بات ہے دو رنگوں کی جرابیں پہنے پھر رہے ہیں؟" فلسفی نے ایک نظر اپنی جرابوں پر ڈالی اور مسکرا کر بولے، "کیا بتاؤں بھائی! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوا کیا ہے۔ ایک جوڑا گھر میں اسی طرح کا پڑا ہوا ہے۔"

مرسلہ: اوصاف احمد، کراچی

● بیٹا: امّی! اس فقیرنی کو روٹی مت دیجیے۔

امّی: کیوں؟

بیٹا: امّی! یہ اللہ کے نام پر مانگتی ہے اور خود کہیں نہ کہیں بیٹھ کر ہضم کر جاتی ہے۔

مرسلہ: محمد وسیم غلام اکبر،

● افسر: (فوجی سے) تمھارے بال بہت بڑھ گئے ہیں تم انھیں کٹواتے کیوں نہیں؟

فوجی: جناب! کوئی حجام نہیں ملتا۔

افسر: مگر کیمپ کا حجام کہاں ہے؟

فوجی: حضور! وہ میں ہی تو ہوں۔

مرسلہ: محمد وسیم، کراچی

● ڈاکٹر: (مریض سے) اجمل صاحب! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک بُری خبر سنانے والا ہوں تاہم میرے پاس ایک خوشخبری بھی ہے۔

مریض: ڈاکٹر صاحب! پہلے مجھے بُری خبر سنائیں۔

ڈاکٹر: بُری خبر یہ ہے کہ ہمیں آپ کی دونوں ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی۔ اور اچھی خبر یہ ہے کہ اگلے بیڈ پر جو مریض ہے وہ آپ کے جوتے خریدنا چاہتا ہے۔

مرسلہ: ندیم خاں

● پہلا دوست: (دوسرے سے) میرے نئے فلیٹ کا نمبر ۷ ہے۔ جب آؤ تو اپنی کُہنی دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی کے بٹن پر رکھ کر زور سے دبانا۔

دوسرا دوست: کیوں، کُہنی کیوں؟ کیا میں اپنی انگلی استعمال نہیں کر سکتا؟

پہلا دوست: میرا مطلب یہ ہے کہ تم خالی ہاتھ تو آؤ گے نہیں۔

مرسلہ: صفیہ خالد حسنی، کراچی

● ایک شخص ڈاک خانے کا لیٹر بکس چُرا کر بھاگا جا رہا تھا کہ ایک سپاہی مل گیا۔ سپاہی نے پوچھا، "کیوں بھئی! یہ لیٹر بکس کہاں لے جا رہے ہو؟"

چور بولا، "جناب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حکومت نے آج محکمۂ ڈاک کا گشت کرنے والا لیٹر بکس شروع کیا ہے؟"

سپاہی جوتا اُتار کر چور کو مارتے ہوئے بولا، "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ محکمہ ڈاک نے "مہر" لگانے کا کام میرے سپرد کیا ہے؟"

مرسلہ: عشرت جہاں انصاری، اورنگی ٹاؤن

● ایک راہ گیر (دوسرے شخص سے) بھائی کیا یہ سڑک جیل جاتی ہے؟

دوسرا شخص: کیوں اس نے کیا قصور کیا ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد صدیقی، کراچی

● ڈاکٹر صاحب، مچھر مارنے کا آسان طریقہ بتائیے۔

ڈاکٹر صاحب: پہلے مچھر کو پکڑ کر اُس کو گُدگُدی کریں۔ جب وہ مُنھ کھولے تو اُس کے مُنھ میں دوائی ڈال دیں۔ مرسلہ: محمد ساجد صدیقی، کراچی

● بیوی: کیا وجہ ہے جب میں گانے لگتی ہوں آپ باہر جا کر بیٹھ جاتے ہیں؟

شوہر: تاکہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ میں تمھیں مار رہا ہوں۔ مرسلہ: خالدہ شکور، لاڑکانہ

● نوکر اپنے کنجوس آقا سے: صاحب! واپس کیوں آ گئے؟

کنجوس آقا: (ہانپتے ہوئے) بڑی دُور سے آیا ہوں۔ میں اپنے کمرے کی بتی بجھانا بھول گیا تھا۔

نوکر: اتنی دُور سے بھاگ کر آتے ہوئے آپ کے جُوتے بھی تو گھس گئے ہوں گے۔

کنجوس آقا: مجھے یہ معلوم تھا، اس لیے میں نے اپنے جوتے اُتار کر بھاگنا شروع کیا تھا۔

مرسلہ: زاہد اختر، کراچی

● ایک سہیلی دوسری سہیلی سے: ہماری ساری باتیں پڑوسی سُنتے ہیں۔

دوسری نے مشورہ دیا کہ درمیان میں دیوار بنوالو۔

اللہ کے لیے یہ کیوں کہہ رہی ہو۔ دیوار بننے کے بعد میں ان کی باتیں کیسے سنوں گی۔

مرسلہ: محبوب خاں، گلشنِ وسیم

● ارے اظہر! تم وہاں اتنی سخت دھوپ میں کیا کر رہے ہو؟

اظہر: ذرا اپنے جسم کا پسینا سُکھا رہا ہوں۔

مرسلہ: رفعت رشید روحی، جھنگ صدر

● ایک دفتر کی انتہائی پُروقار تقریب میں کھانے کے بعد سِگرٹ کے عادی افسر نے کلرک سے مخاطب ہو کر کہا، "بھئی سلیم! تمھارے پاس ماچس ہوگی؟

● کلرک (پُرتکلف انداز میں)، "سر! یہ لائٹر لے لیجیے۔"

افسر (ناراض ہوتے ہوئے) "میاں چھوڑو، اس سے میں اپنے دانت کیسے کریدوں گا؟"

مرسلہ، عتیق حسن رحمانی، نئی آبادی

● رشید: تمھارا ہاتھ کیسے ٹوٹ گیا؟

احمد: یہ سیڑھی نظر آ رہی ہے تمھیں۔

رشید: ہاں۔

احمد: مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ مرسلہ: طارق حسین، کراچی

○ ایک دوست: بے وقوف لوگ بھی کبھی کبھی بڑی اچھی بات کہہ دیتے ہیں۔

دوسرا دوست: بالکل درست۔ یہ آپ نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ مرسلہ: نعمان طاہر، لاہور

○ ایک خاتون پارٹی سے جب واپس آئیں تو نوکرانی سے پوچھا:

"تم نے ریفریجریٹر صاف کر دیا؟"

نوکرانی نے کہا، "جی ہاں بیگم صاحبہ! اس میں بہت مزے دار چیزیں تھیں۔" مرسلہ: ساجدہ خانم، دیپال پور

● ڈاکٹر نے مریضہ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا "مجھے مرض کی تشخیص کے لیے آپ کا ایکسرے لینا ہوگا۔" "پلیز ڈاکٹر!" مریضہ نے کہا، "ایک منٹ۔ میں ذرا اپنا میک اَپ درست کر لوں!" مرسلہ: ساجدہ خانم، دیپال پور

● ایک چور کو رہائی ملنے والی تھی۔ وہ اگلے روز رہا ہو رہا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے اس سے پوچھا کہ تم باہر جا کر پہلا کام کیا کرو گے۔ چور نے کہا کہ میں باہر جا کر ایک ٹارچ خریدوں گا، کیوں کہ پہلے میں نے اندھیرے میں لائٹ آن کرنے کے بجائے ریڈیو آن کر دیا تھا۔ مرسلہ: ساجدہ خانم، دیپال پور

● اُستاد: (شاگرد سے) ساجد آج تم اتنے بڑے بڑے حرف کیوں لکھ رہے ہو؟

اسلم: جناب اس لیے کہ آپ اپنا چشمہ منگوانے مجھے اپنے گھر نہ بھیجیں۔

● ایک شخص نے قصبے کے واحد سبزی فروش سے کہا کہ اپنی دُکان کے تمام ٹماٹر اور انڈے مجھے دے دو۔

دُکان دار: تو تم یہ تمام چیزیں میونسپل ہال میں اس فن کار پر پھینکنا چاہتے ہو جو آج اپنا گانا سنانا چاہتا ہے۔

وہ شخص بولا: تم غلط سمجھے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی یہ چیزیں اس پر پھینکے کیوں کہ میں ہی وہ فن کار ہوں۔ مرسلہ: عامر یوسف، فیصل آباد

● ایک محفل میں ایک صاحب نے انگلستان کی سردی کا ذکر کرتے ہوئے کہا "جب ہم وہاں صحن میں پانی پھینکتے تھے تو وہ فوراً ہی برف بن جاتا تھا۔" دوسرے صاحب جھٹ بولے، "اجی چھوڑیے، یہ بھی کوئی سردی ہے۔ جب ہم ناروے میں تھے تو جملے منہ سے نکلتے ہی فضا میں جم جاتے تھے، جنھیں سُننے کے لیے ہم ماچس جلا کر انھیں پگھلاتے تھے۔" مرسلہ: عامر یوسف، فیصل آباد

● سپاہی (چور سے) کیا تم تسلیم کرتے ہو کہ تم نے اس دُکان پر پانچ دفعہ چوری کی؟ کیا چُرایا ہے تم نے؟

چور: جناب صرف ایک نیل پالش۔

سپاہی: مگر ایک نیل پالش کے لیے تم نے پانچ دفعہ چوری کیوں کی؟

چور: جناب چار بار میری بیوی کو نیل پالش کا رنگ پسند نہیں آیا تھا۔

مرسلہ: سید علی ذوالقرنین، علی پور

# نزلہ، زکام اور کھانسی

## سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

### مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سُعالین لیجیے

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ سُعالین کا باقاعدہ اور بروقت استعمال گھر کے ہر فرد کو نزلہ، زکام اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک دو ٹکیاں روزانہ چوسیے۔

سُعالین کے چار قُرص تیز گرم پانی میں گھول لیجیے،
جوشاندہ تیار ہے جو نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے بدرجہا مفید ہے۔
ایسی ایک خوراک صبح و شب دیجیے۔

## سُعالین

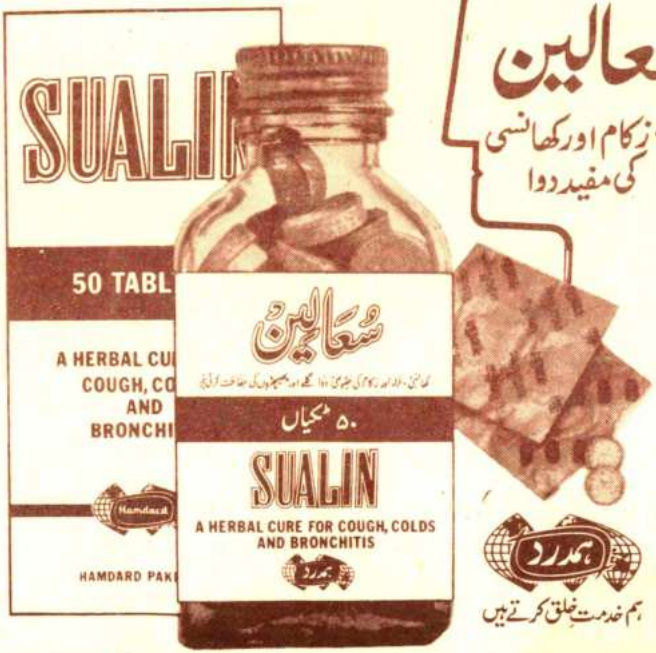

نزلہ، زکام اور کھانسی
کی مفید دوا




ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

**نوزو**

ناک کے ورم،
سوزش اور بندش
کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک
کھول دیتی ہے۔


**آوازِ اخلاق**

وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا۔

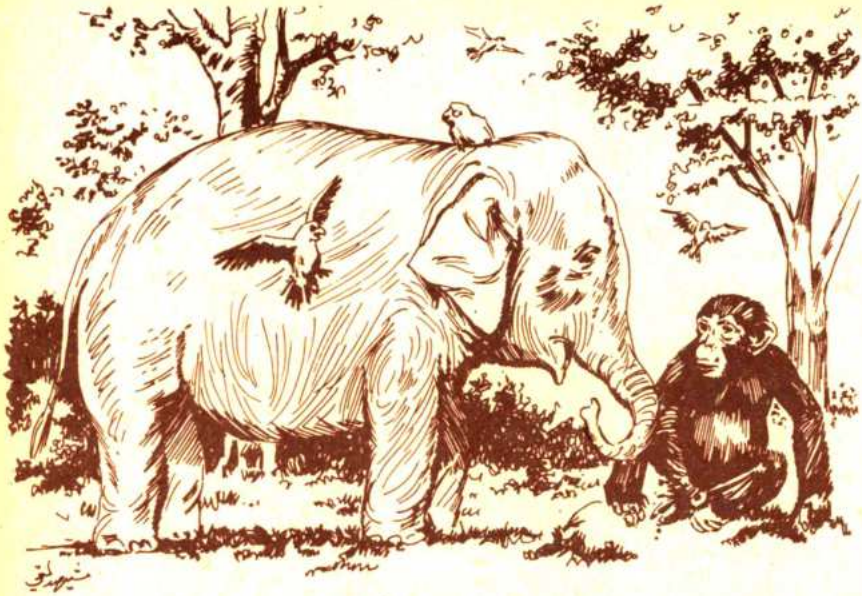

# بھول بھلکّڑ

ناصر محمود خٹک، ڈیرہ غازی خان

کسی جنگل میں ایک ننھا مُنا ہاتھی رہا کرتا تھا۔ اس کا نام تھا جگنو۔ میاں جگنو ویسے تو بڑے اچھے تھے۔ ننھی سی سونڈ، ننھی سی دُم اور بوٹا سا قد، بڑے ہنس مُکھ اور ملنسار مگر ان میں خرابی یہ تھی کہ ذرا دماغ کے کم زور تھے۔ کبھی بھی کوئی بات یاد نہیں رہتی تھی۔ امّی جان کسی بات سے منع کرتیں تو ڈر کے مارے پہلے تو ہاں کر لیتے، مگر تھوڑی ہی دیر بعد بالکل بھول جاتے۔ ابّا جان پریشان تھے تو امّی جان عاجز۔ تمام ساتھی میاں جگنو کا مذاق اُڑاتے اور انھیں بھول بھلکّڑ کہا کرتے۔ ابّا جان میاں جگنو کا کان زور سے اینٹھ کر کہتے، "دیکھو بھئی جگنو! تم نے تو بالکل ہی حد کر دی بھلا ایسا بھی دماغ کیا کہ کوئی بات یاد ہی نہ رہے۔ تم باتوں کو یاد رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ ہاتھی کی قوم تو بڑی تیز دماغ ہوتی ہے۔ برس ہا برس کی باتیں نہیں بھولتی۔ مگر نہ جانے تم کس طرح کے ہاتھی ہو؟ اگر تمھاری یہی حالت رہی، تو تم سارے خاندان کی ناک کٹوا دو گے۔" جگنو میاں جلدی سے اپنی ننھی سی سونڈ ہلاتے اور سر ہلا کر کہتے،

"ابّا جان! اب کے تو معاف کر دیجیے۔ آیندہ میں باتیں یاد رکھنے کی کوشش ضرور کروں گا۔" مگر ہمیشہ کی طرح بھول جاتے اور اپنی اس حرکت سے باز نہ آتے۔ اور بھئی بات یہ بھی تو ہے کہ دنیا میں اتنی ڈھیر ساری باتیں ہیں، بھلا کوئی کہاں تک یاد رکھے۔ اب مثلاً تمام ہاتھی بن مانسوں سے نفرت کرتے تھے کیوں کہ آج سے کئی برس پہلے کسی بن مانس نے ایک بڑا ناریل کسی ہاتھی کے مُنھ پر دے مارا تھا۔ اُس دن سے تمام ہاتھی بن مانسوں کے دشمن ہو گئے۔ یہ بات جگنو کو بہت سے ہاتھیوں نے بتائی تھی۔ مگر میاں جگنو تو تھے ہی بھُول بھُلکڑ۔ کئی بار کان پکڑ کر توبہ کی کہ اب بن مانسوں کے بچّوں کے ساتھ نہیں کھیلوں گا، کھیلنا کیسا ان کی صورت بھی نہیں دیکھوں گا۔ مگر دوسرے ہی دن ساری توبہ بھول جاتے اور پھر ان کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے۔ ہاتھیوں کے دوسرے دشمن توتے تھے۔ ہاتھی ان سے بھی بڑی نفرت کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ ایک دفعہ کوئی ہاتھی بیمار ہو گیا۔ ہاتھیوں نے توتوں سے کہا کہ شور مت مچایا کرو۔ اس سے مریض کی طبیعت زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ مگر توبہ! وہ توتے ہی کیا جو ٹیں ٹیں کر کے آسمان سر پر نہ اٹھالیں۔ اس دن سے ہاتھی توتوں سے بھی بیر رکھنے لگے۔ وہ تو ان کے بس کی بات نہیں تھی ورنہ انھوں نے تو کبھی کی ان کی چٹنی بنا کر رکھ دی ہوتی۔ جگنو کے ماں باپ اور دوستوں نے اسے یہ بات بھی کئی مرتبہ بتائی تھی اور کہا تھا کہ توتوں سے ہماری لڑائی ہے، تم بھی ان سے بات مت کیا کرو۔ مگر میاں جگنو بن مانسو والی بات کی طرح یہ بات بھی بھُول جاتے اور توتوں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر سارے جنگل میں کُودے کُودے پھرتے۔ میاں جگنو کی یہ حرکتیں دیکھ کر ہاتھیوں نے ان سے بول چال بند کر دی۔ بڑے بڑے ہاتھیوں نے کہا کہ جگنو کا دماغ اتنا خراب ہے کہ یہ کسی کی دوستی اور دشمنی کو نہیں سمجھتا اس کو تو کچھ یاد ہی نہیں رہتا۔ بھلا یہ کسی سے دشمنی کیا کر سکے گا۔ تمام ہاتھی اسے بے وقوف کہہ کہہ کر چڑاتے اور اس پر آوازیں کستے۔ مگر جگنو کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ وہ اتنا سیدھا سادہ اور نیک دل تھا کہ وہ ان کے مذاق کا بالکل بُرا نہ مانتا تھا۔ اور پھر اس کا حافظہ بھی تو کم زور تھا۔ اسے یاد ہی نہ رہتا تھا کہ کون دوست ہے، کون دشمن۔ کون سی بات اچھی ہے، کون سی بُری۔ ایک دن ایک بڑا ہی خوف ناک واقعہ پیش آیا۔ جگنو جنگل میں ٹہلتا پھر رہا تھا کہ ایک دم زمین پھٹ گئی اور وہ اس میں سما گیا۔ اصل میں شکاریوں نے گڑھا کھود کر اس کے اوپر گھاس پھونس رکھ کر ڈھانپ دیا تھا تاکہ ہاتھی اس کے اوپر سے گزریں تو نیچے گر پڑیں اور پھر وہ انھیں پکڑ لیں۔ قسمت کی بات کہ میاں جگنو ہی کی شامت آگئی۔ ایک دم اوپر سے گرنے سے میاں جگنو کے بہت چوٹ آئی تھی۔ تھوڑی دیر

تک تو ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ہُوا کیا۔ تھوڑی دیر بعد جب کچھ ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ معلوم ہُوا کہ وہ ایک گہرے گڑھے میں گر پڑا ہے۔ اب تو اس کی جان نکل گئی۔ اس نے سر پٹک پٹک کر اور اِدھر اُدھر ٹکریں مار مار کر لاکھ کوشش کی کہ کسی طرح گڑھے سے نکل جائے لیکن کچھ بن نہ پڑا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر زور زور سے چنگھاڑنا شروع کر دیا: "ابّا! اماں! دوڑو، دوڑو۔" جگنو کی چیخیں سُن کر جنگل کے تمام ہاتھی دوڑ پڑے اور گڑھے کے پاس کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگے۔ جگنو نے چیخ کر کہا، "میں ہوں جگنو۔ اللہ کے لیے مجھے یہاں سے نکالو۔" اس کے ماں باپ نے نیچے جھک کر اسے دیکھا۔ چند بڑے بوڑھے ہاتھی بھی اُس کے پاس آ گئے۔ سب کے سب پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جگنو کو اس مصیبت سے کس طرح نجات دلائیں۔ اُنھیں خاموش دیکھ کر جگنو کا دِل بیٹھ گیا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا، "تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتے؟ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟ اُف میں کیا کروں؟" سب ہاتھیوں نے مایوسی سے سر ہلایا اور آہستہ آہستہ چلے گئے۔ چلتے وقت اس کی ماں نے کہا، "جگنو! گھبرانا مت۔ ہم تمھارے لیے کھانا لے کر آتے ہیں۔" مگر جگنو کو کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اس گڑھے سے نکلنا چاہتا تھا۔ ہاتھی چلے گئے تو اس نے ایک گہری سانس لی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اچانک اُسے اپنے سر پر بہت سے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو رنگ برنگے توتے نظر آئے۔ یہ سب اس کے دوست تھے، جنھیں وہ اپنی پیٹھ پر بٹھا کر جنگل کی سیر کراتا تھا۔ کچھ توتے گڑھے پر آ کر بولے، "جگنو! گھبراؤ نہیں۔ ہم ابھی تمھیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلاتے ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ اور پھر جگنو نے سُنا کہ توتے بن مانسوں کو آوازیں دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد توتے بہت سے بن مانسوں کو لے کر آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں انگوروں کی لمبی لمبی رسّیوں جیسی بیلیں تھیں۔ انھوں نے بیلوں کے سرے گڑھے میں لٹکا دیے۔ کچھ بن مانس ان کے ذریعہ سے گڑھے میں اُتر گئے۔ جگنو انھیں دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ اب اسے کچھ اُمید باہر نکلنے کی ہو گئی تھی۔ ہنس کر بولا، "میرے دوستو! کیا تم مجھے باہر نکالنے میں کام یاب ہو جاؤ گے؟" بن مانس بولے، "کیوں نہیں، ضرور ضرور، اللہ نے چاہا تو ابھی ہم تمھیں اوپر کھینچ لیں گے۔ اگر کوئی اور ہاتھی ہوتا تو ہم ذرا بھی پروا نہ کرتے۔ تم ہمارے دوست ہو اور دوست کی مدد کرنا دوست کا فرض ہے۔ لو اب ذرا تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ تاکہ ہم تمھیں ان رسّیوں سے باندھ دیں۔" جگنو کھڑا ہو گیا اور

بن مانسوں نے اسے رسّیوں سے خوب اچھی طرح جکڑ دیا۔ پھر وہ ان تمام رسّیوں (بیلوں) کو لے کر گڑھے سے باہر چلے گئے اور انھیں سب کو بٹ کر ایک موٹی سی رسّی بنا لی۔ پھر ایک بن مانس زور سے بولا، "ہوشیار، خبردار!" سب کے سب بن مانسوں نے رسّی کو مضبوطی سے تھام لیا اور تن کر کھڑے ہو گئے۔ اسی بن مانس نے پھر کہا، "کھینچو، ایک ساتھ!" اب سارے بن مانس رسّی کو پوری طاقت سے کھینچنے لگے۔ ایک زور کے جھٹکے کے ساتھ جگنو کے پیر ایک دم زمین سے اُٹھ گئے اور پھر وہ آہستہ آہستہ اوپر اُٹھتا گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ بدن پر پسینہ بہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر رسّی ٹوٹ گئی تو وہ پھر دھڑام سے نیچے گر پڑے گا۔ بن مانس برابر رسّی کھینچ رہے تھے اور شور بھی مچاتے جاتے: "ہاں، شاباش، کیا کہنے بہادرو۔" آخر تھوڑی دیر میں میاں جگنو زمین کے اوپر تھے۔

انھوں نے حیرت سے آنکھیں مَلیں۔ چاروں طرف دیکھا اور جب سب دوستوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں تب وہ سمجھے کہ میں سچ مچ اُوپر آگیا ہوں۔ نئی زندگی پا کر جگنو کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ کھلائے پڑ رہے تھے۔ سب دوستوں سے خوب خوب گلے مِلے اور بولے، "تم سچ مچ میرے دوست ہو۔ چلو سب میری پیٹھ پر چڑھ جاؤ۔"

جب جگنو میاں گھر پہنچے تو ماں باپ رو رہے تھے۔ ان کے لیے تو جگنو میاں ختم ہو چکے تھے۔ لیکن انھیں ایکا ایکی آتا دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ امّی جان میرے لال کہہ کر چمٹ گئیں۔ ابّا جان نے بھی پیار کیا۔ جب دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو میاں جگنو نے بتایا۔ کہ جن جانوروں کو آپ دشمن سمجھتے اور انھیں ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے، انھوں نے میری جان بچائی ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے میاں جگنو کو اجازت دے دی کہ تم خوشی سے تو توں اور بن مانسوں کے ساتھ کھیلا کرو، تمھیں کوئی نہیں روکے ٹوکے گا۔ اس دن سے تمام ہاتھیوں نے انھیں بے وقوف بھی کہنا چھوڑ دیا اور ان سے اچھی طرح ملنے جُلنے لگے۔ جگنو کے ماں باپ کو آج پہلی بار معلوم ہوا کہ دوسروں کے خلاف دل میں خواہ مخواہ حسد اور دشمنی رکھنے سے یہ بہتر ہے کہ انھیں دوست بنایا جائے تاکہ وہ وقت پر کام آسکیں۔

---

چیتا سب سے تیز رفتار جانور ہے۔ اس کی اوسط رفتار ۷۰ میل فی گھنٹہ ہے۔
گھونگا سب سے سُست رفتار جانور ہے۔ اس کی اوسط رفتار ۵۲٫۸ گز فی گھنٹہ یعنی ۰٫۰۳ میل فی گھنٹہ۔

# صحت مند نونہال

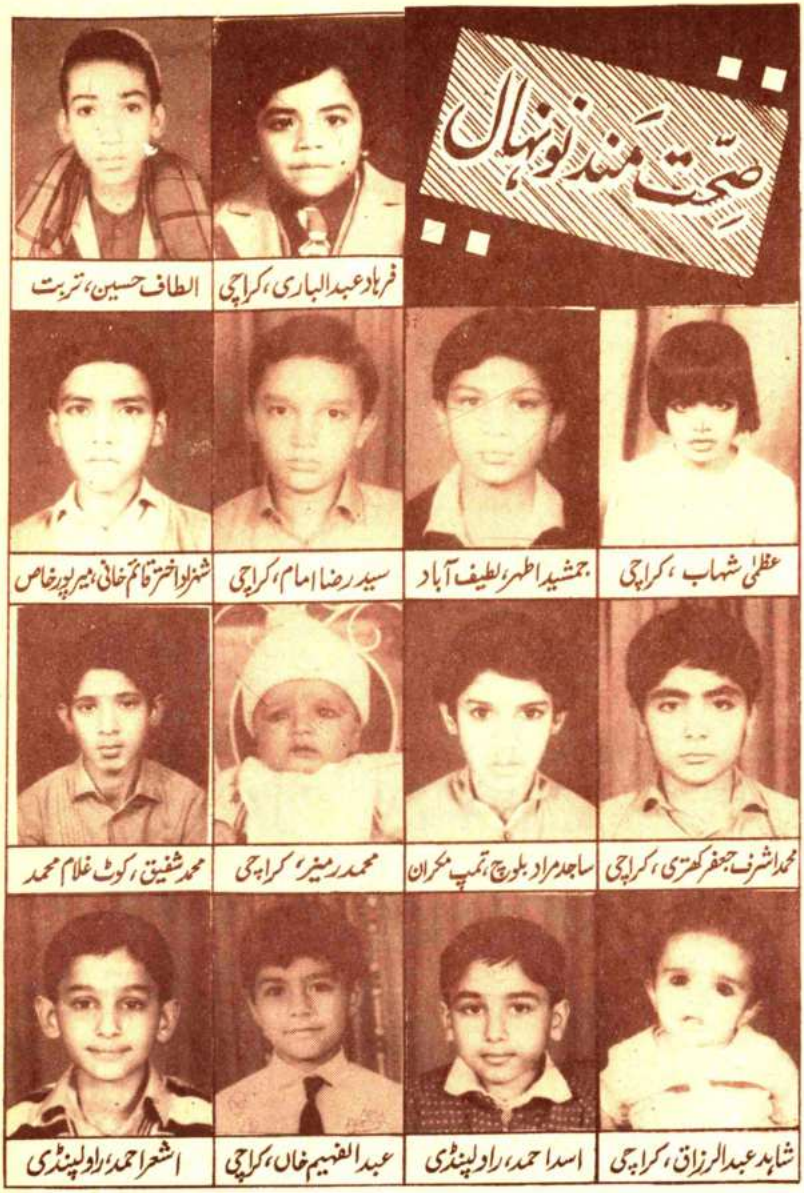

فرہاد عبدالباری، کراچی
الطاف حسین، تربت
عظمیٰ شہاب، کراچی
جمشید اطہر، لطیف آباد
سید رضا امام، کراچی
شہزاد اختر قائم خانی، میرپور خاص
محمد اشرف جعفر کھتری، کراچی
ساجد مراد بلوچ، تمپ مکران
محمد رمیز، کراچی
محمد شفیق، کوٹ غلام محمد
شاہد عبدالرزاق، کراچی
اسد احمد، راولپنڈی
عبدالفہیم خاں، کراچی
اشعر احمد، راولپنڈی

# رمضان المبارک

## ادائے فرض اور اعادۂ صحت کا مہینہ ہے

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ مسلمان کہ جو اس رکنِ اسلام کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی ذہنی کثافتوں کو دور کر کے اپنی بالیدگیٔ رُوح کا سامان کرتے ہیں اور اپنی جسمانی کدورتوں سے خالی ہو کر اپنی صحتِ جسمانی کا اہتمام کرتے ہیں۔ رمضان المبارک کا احترام کرنے والا اور روزہ کا پابند انسان بہرطور اور بہرلحاظ تن درست رہتا ہے اور چاق و چوبند۔

اس رفیع و بابرکت اور مقدس مہینے میں سحر و افطار کے احترام کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کھانے پینے میں احتیاط کا دامن پکڑیں اور اتنا نہ تناول فرمائیں کہ ہضم پر بار اور دل پر بوجھ بن جائے۔

انواع و اقسام کے کھانے ایسا نہ ہو کہ اسراف کی تعریف میں آجائیں اور رُوحِ رمضان مضمحل ہو جائے اور برکاتِ رمضان معرضِ خطر میں آجائیں۔

مجبوراً اور حادثے کے طور پر کبھی دامنِ احتیاط چھوٹ جائے تو آپ کارمینا سے فوراً اصلاحِ ہضم کا سامان کریں اور معمولاتِ رمضان میں کوئی فرق نہ آنے دیں۔

# کارمینا

بدہضمی، قبض، گیس
سینے کی جلن، تیزابیت
وغیرہ کا اچھا علاج ہے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں



Adarts - CAR - 827(R)

**آوازِ اخلاق**

بہترین عمل وہ ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخش ہو

# نونہال ادیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## حمد

پسند: آصف، سکھر

اے دُنیا کی شان کے مالک
جسم کے مالک جان کے مالک

دُکھ سکھ میں کام آنے والے
بگڑی بات بنانے والے

سورج چاند بنائے تُو نے
باغ میں پھول کھلائے تُو نے

پھولوں کو رنگینی بخشی
خوش بُو بھینی بھینی بخشی

تُو نے دیے افلاک کو تارے
دُور سے جو کرتے ہیں اشارے

ان کی مدد سے بُھولے بھٹکے
رستا چلتے ہیں بے کھٹکے

## نعت

پسند: شبنم سراج، کراچی

رِم جھم رِم جھم نور کی بارش
طیبہ کی برسات نہ پوچھو

فیض سے مملو لمحہ لمحہ
کیف میں ڈوبی ساعت ساعت

کتنا منوّر دن کا منظر
کیسی سہانی رات نہ پوچھو

دشت و جبل گلزار میں رحمت
کوچے اور بازار میں رحمت

ان کے شہر میں ان کے نگر میں
رحمت کی بہتات نہ پوچھو

## ماں

پسند: نصرت نور، کراچی

ماں اک ایسی نعمت ہے
جس سے گھر کو راحت ہے

ہم پر اس کی فرض ہے عزّت
قدموں میں اس کے ہے جنّت

اس کا سایہ ٹھنڈی چھاؤں
اس کے صدقے واری جاؤں

سنو نصیحت میری بچّو
کبھی نہ دینا دُکھ اس کو

## اے قوم کے جوانو

پسند : عائشہ شفیق، لاہور

اے قوم کے جوانو
نصرت کے راز جانو
ہے وقت کا تقاضا
قائد کا حکم مانو

ملّت کی آس ہو تم
پھر کیوں اُداس ہو تم
پھیلاؤ جگ میں خوش بو
پھولوں کی باس ہو تم

خوش بُو کے گل کھلاؤ
اُلفت کے گیت گاؤ
بیٹھے رہو گے کب تک
اُٹھو جہاں پہ چھاؤ

## گرمی

پسند: ملک محبوب احمد، گڈو بیراج

خوشی تھی کہ سردی سے پائی رہائی
ابھی پھینکی تھی بھاری بھرکم رضائی
مگر راس آیا نہ کچھ یہ مہینہ
بہا صبح سے شام تک ہی پسینہ
یہ پھونکا ہے کس نے مئی جون پڑھ کر
ہوا کیسی چلنے لگی ہے ستم گر
اگر دن میں مکھی نے ہم کو ستایا
تو گاتا ہوا شب کو مچھر بھی آیا
ہر اک جا پہ گرمی سے لُو ناچتی ہے
ہے صحرا میں کیا کُو بکُو ناچتی ہے
نہیں چین ناصر کو پنکھا چلاؤ
کوئی جا کے سردی کو واپس بُلاؤ

## چڑیا کی شادی

پسند: شائستہ اکبر، کراچی

اک چڑیا کی شادی تھی
کوّا جس کا ماموں تھا
کوئل جس کی دادی تھی
اک چڑیا کی شادی تھی
توتے آئے بینڈ بجاتے
سارس آئے سہرا گاتے
اک چڑیا کی شادی تھی
جو آتا وہ دعوت کھاتا
جنگل میں منگل کا سماں تھا
اک چڑیا کی شادی تھی

## صفائی

پسند: پُرنم جان، شمالی ناظم آباد

گری تھی مرے کپڑوں پر روشنائی
تو یہ بات ابّو نے مجھ کو بتائی
کہ انساں کا ہے آدھا ایماں صفائی
صفائی کی شیدا ہے ساری خدائی
ہمارے نبیؐ رہتے تھے صاف ستھرے
کبھی اس بلندی سے نیچے نہ اُترے

صفائی میں روح و تن کی بھلائی
صفائی کی شیدا ہے ساری خدائی
ہمارے نبیؐ خود بھگوتے تھے کپڑے
پھر اپنے ہی ہاتھوں سے دھوتے تھے کپڑے
صفائی میں ہے آدمی کی بڑائی
صفائی کی شیدا ہے ساری خدائی

(عبدالغنی شمس)

## محنتی چیونٹی

پسند: سید سرفراز حسین شاہ، داہ چھاؤنی

یہ بھولی بھالی چیونٹی
پھرتی ہے دن بھر رات بھر کرتی ہے محنت کس قدر
جاتی ہے کھیتوں کی طرف لمبی قطاریں باندھ کر
پھر گھر پلٹ آتی ہے
دانے اُٹھا لاتی ہے یہ
غلّے سے بھر لیتی ہے گھر کرتی ہے کیا لمبے سفر
یہ بھولی بھالی چیونٹی
رکھو کوئی شے ڈھانک کر مل جاتی ہے اس کو خبر
لے جاتی ہے یہ کچھ نہ کچھ وہ خشک شے ہو یا کہ تر
بُو سونگھ کر بڑھتی ہے یہ
دیوار پر چڑھتی ہے یہ
جتنے ہیں ننّھے جانور ان سب میں آتی ہے نظر
یہ بھولی بھالی چیونٹی

(حفیظ جالندھری)

## ٹیلے وژن

پسند: ندیم محمد خاں، کراچی

سات سمندر پار سے آیا
ہم کو ہر اک راز بتایا
روشن روشن فوٹو اس کی
دل کو لُبھائے رنگت اس کی
شام کو روز ہی آتا ہے یہ
رات کو دیر سے جاتا ہے یہ
بٹن دباؤ بول پڑے گا
اپنے منہ کو کھول پڑے گا
چلتا ہے یہ ہر اک سیزن
نام ہے اس کا ٹیلے ویژن

## پیارا وطن

پسند: عبدالستار

میرے پیارے وطن تو سلامت رہے
تو سلامت رہے تا قیامت رہے
تیرے فوجی بھی تیری حفاظت کریں
تیرے اہلِ قلم یوں ہی لکھتے رہیں
تیرے دہقان سونا اُگاتے رہیں
تیرے مزدور بھی مل چلاتے رہیں
تیرے اہلِ ہُنر مانگ تیری بھریں
تیرے تُجّار دولت کماتے رہیں
تیری خاطر جیوں تیری خاطر مروں
جان بھی تیری خاطر میں حاضر کروں

## ہرمزاں کی چالاکی

محمد عمر بلوچ، مقام نامعلوم

ایران کے ایک صوبے نہاوند کا حاکم ہرمزاں جنگ میں گرفتار ہوگیا۔ اسے حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا تاکہ خلیفہ کے حکم سے اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ جب اسے حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا:

"کیا تم نہاوند کے گورنر ہو؟" "جی ہاں میں وہاں کا گورنر تھا۔" حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ تم نے بار بار مسلمانوں سے وعدہ خلافی کی ہے اور مالی نقصان پہنچایا ہے؟ ہرمزاں نے اپنے اس قصور کا اعتراف کیا۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس قسم کے جرائم پر ہمارے ہاں سزائے موت دی جاتی ہے۔ اس پر ہرمزاں نے کہا کہ جی ہاں میں جانتا ہوں۔ "گویا تم اس سزا کو بھگتنے کے لیے تیار ہو؟" خلیفہ کی بارعب آواز گونجی۔

ہرمزاں نے کہا، "صرف ایک عرض ہے اور وہ یہ کہ میری گردن اڑانے سے پہلے مجھے ایک گلاس پانی پلوا دیجیے۔" جب اس نے پانی کا گلاس لیا تو کہنے لگا، "اے بادشاہ! مجھے ڈر ہے کہ آپ کے آدمی مجھے پانی پیتے وقت قتل نہ کر دیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا، "تم اطمینان کے ساتھ پانی پیو۔ جب تک تم یہ پانی پی نہیں لوگے کوئی شخص تمھیں ہاتھ نہیں لگانے پائے گا۔"

یہ سُن کر ہرمزاں نے پانی زمین پر پھینک دیا اور کہا:

"اے امیر! اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔"

حضرت عمرؓ نے تعجب سے پوچھا، "وہ کیوں؟"

اس پر ہرمزاں نے مسکراتے ہوئے کہا، "آپ نے کہا ہے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پیوں گا، آپ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ اب چوں کہ میں پانی زمین پر پھینک چکا ہوں اور اسے کسی طرح نہیں پی سکتا، اس لیے آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔"

یہ سُن کر حضرت عمرؓ مسکرائے اور اس کی جان بخشی کر دی۔

## بہار

سکینہ رضا، کراچی

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں کا کوئی شمار نہیں۔ انھی نعمتوں میں مختلف موسم بھی شامل ہیں جو انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری اور مفید ہیں۔

موسم چار ہیں: سردی، گرمی، خزاں اور بہار۔

ہمارے ملک میں ہر موسم کا اثر بڑی شدت سے ہوتا ہے۔ گرمی میں خوب گرمی، سردی میں خوب سردی اور بہار میں خوب ہی بہار ہوتی ہے۔ بہار سب کا پسندیدہ موسم ہے۔

موسم بہار فروری کے وسط میں شروع ہوتا ہے۔ فروری کے مہینے میں گندم کی فصل سے آنے والی خوش بو اور ٹنڈ منڈ درختوں کی ٹہنیوں پر پھوٹنے والے شگوفے بہار کی آمد کا مژدہ سناتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات پر جوانی کا زمانہ آگیا ہے۔ آمدِ بہار سے پہلے ہر طرف خزاں کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہر چیز پر اُداسی اور افسردگی چھائی ہوتی ہے۔ کوہ و دشت، باغوں اور کھیتوں میں ہر جگہ خاموشی اور سناٹے کا راج ہوتا ہے۔ بہار کی آمد سے ہر طرف ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ مُرجھائے ہوئے درخت تر و تازہ اور سرسبز ہو جاتے ہیں۔

گندم کے کھیتوں میں سنہری مخمل کی چادر بچھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ باغوں میں پھول کھل جاتے ہیں اور خوش بُو ہر طرف اُڑی اُڑی پھرتی ہے۔ شاخیں پھلوں اور پھولوں سے لد جاتی ہیں۔

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
نیلے نیلے اُودے اُودے پیلے پیلے پیرہن

نسیم کے جھونکے آتے ہیں تو پھول مست ہو کر جھومنے لگتے ہیں۔ پھولوں پر بھونرے اُڑتے ہیں۔ ہر طرف رنگ برنگی تتلیاں اُڑی پھرتی ہیں۔ کسی باغ میں چلے جائیے، یہ اُڑتی تتلیاں پرواز کرتی نظر آتی ہیں۔ آسمان ڈھل کر نکھر جاتا ہے اور یہ نیلاہٹ نمایاں ہو کر آنکھوں کو تراوٹ بخشتی ہے۔ موسم بہار کی فضا سب کی طبیعتوں کو فرحت بخشتی ہے۔ انسان و حیوان خوش ہو جاتے ہیں۔ جس طرف نگاہ دوڑائیے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ ہر طرف خود رَو پھول اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ انسان ان لمحوں میں اللہ تعالیٰ کی صناعی کے شاہ کار دیکھتا ہے اور اس کا اِن عظیم نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے۔

پروردگار تیرا کس کس طرح شکر ادا کروں
کیا کیا ہمیں نہیں دیا اپنی جناب سے

## بطخ کی قربانی

وارث، ہیرآباد حیدرآباد

کسی جنگل میں ایک سفید بطخ رہتی تھی۔ اس کے گھونسلے میں تین انڈے تھے۔ کچھ فاصلے پر ایک سیاہ بطخ کا گھونسلا تھا۔ اس کے گھونسلے میں بھی تین انڈے تھے۔ ایک دفعہ ایک گیدڑ اس جگہ آنکلا۔ سیاہ بطخ نے جیسے ہی اسے اپنے گھونسلے کی طرف آتے دیکھا تو جھٹ انڈے اُٹھانے لگی۔ اس دوران دو انڈے گر کر ٹوٹ گئے اور ایک انڈا اس کے پاس رہ گیا۔ وہ اس انڈے کو اُٹھا کر بھاگنے لگی۔ اسے سفید بطخ کا گھونسلا نظر آیا، جس میں تین انڈے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے جلدی سے اپنا انڈا اُن تین انڈوں میں رکھ دیا اور پھر بھاگنے لگی۔ ابھی تھوڑی ہی دور پہنچی تھی کہ کیا دیکھتی ہے کہ گیدڑ سفید بطخ کا پیچھا کر رہا ہے۔ سیاہ بطخ نے دل میں سوچا کہ اگر سفید بطخ کو گیدڑ کھا گیا تو اس کے بچوں کا کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے گیدڑ کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ گیدڑ نے جب سیاہ بطخ کو دیکھا تو اس پر جھپٹ پڑا اور اسے کھا گیا۔ اس طرح سفید بطخ کی جان بچ گئی۔ ایک بگلا دُور کھڑا سیاہ بطخ کی عظیم قربانی کو دیکھ رہا تھا۔ دن گزرتے رہے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد انڈوں میں سے ننھے ننھے بچے نکل آئے۔ بطخ ان بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی مگر سیاہ بچے کو دیکھ کر اس نے چلّانا شروع کر دیا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے۔ اس نے سیاہ بچے کو بڑی مشکل سے برداشت کیا، مگر وہ اسے دل سے نہیں چاہتی تھی۔ جب کبھی دریا کی سیر کرنے جاتی تو صرف اپنے بچوں کو ساتھ لے کر جاتی ان کو اچھے اچھے کھانے کھلاتی مگر بے چارے سیاہ بچے کو بچا کھچا دے دیتی۔

سردی کے موسم میں وہ اپنے بچوں کو پَروں تلے چھپا لیتی مگر سیاہ بچے کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیتی۔ سیاہ بطخ کا بچہ اکیلا بیٹھ کر خوب رویا کرتا۔ اسے اپنی ماں کے رویے کا شدت سے احساس تھا۔ ایک دفعہ بطخ نے سیاہ بچے کی پٹائی کر دی۔ وہ روتا ہوا گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ دوسرے بچوں نے اسے روکنے

کی کوشش کی تو سفید بطخ نے منع کر دیا۔ دو روز کے بعد وہی بگلا بطخ کے ہاں آیا جس نے سیاہ بطخ کی قربانی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ بطخ نے پوچھا "کیوں بگلے میاں! کیسے آنا ہوا؟" بگلا بولا کہ میں تو سیاہ بطخ کے بچے کا حال پوچھنے آیا ہوں جس کی ماں نے تمھاری اور تمھارے بچوں کی جان بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ بگلے نے سارا قصہ سنا دیا۔

سفید بطخ نے جب یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگی "میں بھی کتنی بے وفا اور احسان فراموش ہوں۔ میں نے اس معصوم کو کتنے دکھ دیے۔" یہ کہہ کر وہ سیاہ بچے کی تلاش میں نکل پڑی۔ وہ دریا کے ساحل پر اُداس بیٹھا تھا۔ بطخ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور پھر دونوں واپس آ گئے۔

## عقل مند سوداگر

محمد وسیم حسن ہاشمی، بہاول پور

ایک شہر میں دو دوست رہتے تھے۔ ان میں سے ایک سوداگر تھا اور دوسرا دکان دار۔ ایک دفعہ سوداگر کسی کام سے ملک سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے پاس پندرہ سیر سونا تھا۔ اس نے وہ سونا اپنے دکان دار دوست کے پاس رکھوا دیا۔ اور کہا کہ یہ سونا میں واپس آ کر لے لوں گا۔ چند دنوں بعد سوداگر شہر واپس آیا تو اس نے دکان دار سے اپنا سونا مانگا۔ دکان دار کی نیت میں فتور آ گیا تھا۔ اس نے کہا کہ تمھارا سونا تو چوہے کُتر گئے ہیں۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔ سوداگر خاموش ہو گیا۔ ایک دفعہ سوداگر نے دکان دار کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ دکان دار کے آنے کی تھوڑی دیر بعد سوداگر نے اس کے بیٹے کو اغوا کروا لیا۔ جب دکان دار نے اپنے بیٹے کے بارے میں سوداگر سے پوچھا تو اس نے کہا کہ تمھارے بیٹے کو ابھی ابھی کوّا اُٹھا کر لے گیا ہے۔

دکان دار نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ تم میرے بیٹے کے بارے میں صحیح بتاؤ۔ سوداگر نے کہا "جس ملک کے چوہے پندرہ سیر سونا کتر سکتے ہیں تو وہاں کے کوّوں کے لیے ایک چھوٹے سے لڑکے کو اٹھانا کون سی بڑی بات ہے؟"

دکان دار سوداگر کی بات سمجھ گیا اور شرمندہ ہو گیا۔ اس نے اس سے معافی مانگی۔ سوداگر نے دکاندار کو اس کا بیٹا واپس کر دیا۔ دکان دار نے بھی سوداگر کو اس کا سونا واپس دے دیا۔

## شیر کی دُم

تاج محمد نوناری، خیرپور میرس

ایک شام ایک تھکا ہارا کسان کاندھے پر کُدال رکھے چادل کے کھیت پر کام سے فارغ ہو کر گھر واپس جا رہا تھا۔ اس کا ذہن گاؤں واپس پہنچنے، کھانا کھانے اور پھر سو جانے کے خیالات میں مگن تھا۔ ٹیڑھے میڑھے راستے پر چلتے چلتے اس کا گزر بڑے پتھروں کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ اس نے دیکھا کہ پتھر کے بیچ ایک دراڑ میں سے ایک دُم باہر نکلی ہوئی تھی۔ یہ کسی جانور کی دُم تھی، جس کا باقی دھڑ پتھروں کے ڈھیر کے دوسری طرف تھا۔ جانور کی دُم لہرا رہی تھی، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ دُم پہچاننے میں کسان کو کوئی دِقّت نہ ہوئی۔ یہ کسی شیر کی دُم تھی۔ یہ کافی موٹی اور بڑی تھی، جس سے خیال ہوتا تھا کہ شیر بھی کوئی معمولی شیر نہیں ہے۔ گھبراہٹ

کے بارے بے چارے کسان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پہلے اس کے ذہن میں خیال آیا کہ فوراً گاؤں کی طرف دوڑ لگا دی جائے، لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ شیر دراصل اس بات کا منتظر ہے کہ جیسے ہی کسان آگے بڑھے اور شیر کے سامنے آئے، شیر اپنا کام دکھا جائے۔ لہٰذا کسان نے نے دوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق جب اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو کدال ایک طرف پھینک کر مضبوطی سے شیر کی دُم پکڑ لی۔ اب کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ شیر دوسری طرف زور لگا رہا تھا کہ کس طرح اپنی دُم کو آزاد کروائے۔ ادھر کسان پورا زور لگا کر دم کھینچ رہا تھا کہ شیر اس طرح پتھروں کے اس طرف ہی رہے اور ہل نہ سکے۔ دونوں آگے پیچھے ہوتے رہے۔ شیر غرّا رہا تھا۔ کسان کا سانس پھول رہا تھا۔ پسینے سے اُس کا جسم بھیگ گیا تھا، مگر وہ کسی بھی قیمت پر دُم چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔

ابھی یہ کش مکش چل رہی تھی کہ ایک درویش نُما شخص وہاں سے گزرا۔

"اُف شکر ہے۔ اللہ نے تمھیں اس وقت فرشتہ بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ میرے محسن! میری کُدال اُٹھاؤ اور اس وحشی شیر کو مار ڈالو۔ میں اسے پکڑے ہوئے ہوں۔

مقدس درویش پُرسکون آواز میں بولا، "مجھے افسوس ہے کہ کسی جانور کو ہلاک کرنا میرے اُصولوں کے خلاف ہے۔"

کسان گھگھیانے لگا، "میرے بازو اب تھک چکے ہیں۔ جیسے ہی اس کی دُم میرے ہاتھوں سے نکلی، یہ خُوں خوار درندہ میری تکا بوٹی کر ڈالے گا۔"

"مجھے افسوس ہے میرے بھائی!"، درویش اطمینان سے بولا۔

کسان تقریباً رو پڑا، "اگر تم نے میری مدد نہ کی تو میری موت کی ذمّے داری تمھارے اُوپر ہو گی۔"

درویش اسے سمجھانے لگا کہ ہمارے اِرد گرد جنگل میں مختلف مخلوقات ایک دوسرے کو مارتی رہتی ہیں۔ یہ تو ایک قدرتی نظام ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق کو دانستہ مارا جائے۔

شیر کی دم کسان کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی، اس کے ہاتھ گیلے اور چکنے ہو گئے تھے۔ آخر اس نے درویش سے کہا، "تم صرف ذرا اس شیر کی دُم پکڑ لو تاکہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں۔" درویش نے آگے بڑھ کر شیر کی دُم مضبوطی سے تھام لی۔

"کیا تم نے اچھی طرح پکڑ لیا ہے؟" کسان نے پوچھا، "ہاں بہت اچھی طرح!" درویش نے اُسے یقین دلایا۔

کسان نے دُم پر سے ہاتھ ہٹا لیے کُدال اُٹھائی اور اپنے گاؤں چل پڑا۔ شیر اَب غیظ و غضب کے عالم میں دھاڑ رہا تھا۔

"جلدی کرو، اسے جلدی سے مار ڈالو!" درویش چیخ چیخ کر کسان سے کہہ رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ اسے جلدی سے اپنی کُدال سے مار ڈالو۔" کسان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:

"معزز بزرگ! میں نے آپ کی گفت گو غور سے سُنی اور اور آپ کی بات پر ایمان لے آیا ہوں کہ کسی جان دار کو مارنا گناہ ہے۔ آپ انتظار کیجیے کہ کوئی اور شخص آئے۔ وہ یقیناً آپ کی مدد کرے گا۔"

ہمدرد نونہال، مئی ۱۹۸۸ء

# شترمرغ

اقبال احمد رشک، کراچی

شترمرغ دنیا کی عجیب ترین مخلوق میں سے ایک ہے۔ اس کی سب سے دل چسپ بات یہ ہے کہ وہ نہ تو دوسری چڑیوں کی طرح اُڑ سکتا ہے، نہ درختوں پر بسیرا کرتا ہے اور نہ چہچہاتا ہے مگر اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ اس کا پرندوں میں شمار کیا جاتا ہے، بلکہ اسے دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہوتے ہوئے بھی شترمرغ اُڑ نہیں سکتا لیکن دوڑ میں وہ عربی گھوڑے سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ پرندوں کے بازوؤں میں اُڑنے کی جو طاقت ہوتی ہے وہی قدرت نے اس کی لمبی اور مضبوط ٹانگوں میں دے رکھی ہے۔ ڈیل ڈول کے لحاظ سے اس کے بازو بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ سر بھی بہت چھوٹا اور چپٹا ہوتا ہے۔ جسم کا سب سے نازک حصہ گردن ہوتی ہے، جو تین فیٹ لمبی ہوتی ہے۔ سر اور گردن پر برائے نام روئیں ہوتے ہیں۔ ران کے نچلے حصے میں پر نہیں ہوتے۔ گردن اور ران کی کھال کا رنگ گوشت کی طرح سرخ ہوتا ہے، لیکن جنوبی افریقہ کے شترمرغوں کے ان اعضا کا رنگ نیلا اور صومالیہ کے شترمرغوں کا رنگ سرمئی ہوتا ہے۔ شترمرغ سات سے لے کر آٹھ فیٹ اونچا اور تقریباً تین سو پونڈ وزنی ہوتا ہے۔ اپنے قد، لمبی گردن اور بڑی بڑی آنکھوں کی وجہ سے میلوں دور تک دیکھ سکتا ہے۔ اس کی قوتِ سامعہ یعنی سننے کی طاقت بھی کافی تیز ہوتی ہے۔ ریگستان کی نسبت سے اس کی پیٹھ پر کوہان بھی ہوتا ہے۔ ہر پاؤں میں دو انگلیاں ہوتی ہیں، ایک بڑی دوسری چھوٹی۔ تلوے گدّے کی طرح نرم ہوتے ہیں۔ بڑی انگلی اس کے سارے وزن کو سنبھالتی ہے۔ ٹانگوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اس کی ایک ضرب سے لکڑ بھگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ اس کی چونچ چھوٹی، چپٹی، چوڑی اور مضبوط ہوتی ہے۔

شترمرغ بڑا طاقت ور جانور ہوتا ہے۔ وہ اپنی پیٹھ پر دو آدمیوں کا بوجھ لے کر بھاگ سکتا ہے۔ ان کی مرغوب غذا گھاس، پتیاں، پھل، کیڑے اور چھوٹی چڑیاں ہے۔ یہ پتھر اور اینٹیں بھی نگل جاتا ہے۔ اس بسیار خوری کی وجہ سے اکثر مر بھی جاتا ہے، اونٹ کی طرح ریگستانوں میں کئی دنوں تک بغیر پانی کے زندہ رہ سکتا ہے اور جب پانی مل جاتا ہے تو خوب سیر ہو کر پیتا ہے اور نہاتا ہے۔

عموماً خاموش رہتا ہے لیکن کبھی کبھی باریک "کوں کوں" کی آواز نکالتا ہے۔ ویسے اس کی آواز شیر کی دہاڑ سے اتنی مشابہ ہوتی ہے کہ ناتجربہ کار لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ دھاڑتے وقت گردن غبارے کی طرح پھول جاتی ہے لیکن چونچ بند رہتی ہے۔

مشہور ہے کہ جب شترمرغ ڈر جاتا ہے تو ریت میں اپنا سر چھپا لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دنیا کی نظر سے چھپ گیا۔ یہ روایت غلط ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ انڈا سیتے وقت وہ اپنا سر اور گردن زمین پر رکھ دیتا ہے اور دم اونچی کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ دور سے جھاڑی وغیرہ معلوم ہوتا ہے اور محفوظ

ہوجاتا ہے۔ نر کے پروں کا رنگ کالا ہوتا ہے جو رات کی سیاہی میں مل جاتا ہے۔ مادہ کے پروں کا رنگ بھورا ہوتا ہے، اس لیے وہ دن میں آسانی سے دکھائی نہیں دیتی۔

شتر مرغ کے ایک انڈے کا وزن تقریباً تین پونڈ ہوتا ہے۔ افریقی باشندے ان کے چھلکوں کو بطور پیالے کے استعمال کرتے ہیں۔ انڈے نکالتے وقت وہ اسے ہاتھ سے نہیں چھوتے بلکہ لمبی لکڑی کی مدد سے انھیں نکالتے ہیں۔ تاکہ شتر مرغ کو مداخلت کرنے والے کی بُو نہ ملے اور وہ اپنا گھونسلا نہ بدل دے۔ جب شتر مرغ انڈوں کو ریت سے ڈھک کر کہیں چلے جاتے ہیں تب ہی یہ ممکن ہوتا ہے۔ اس غیر حاضری سے گیدڑ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

انڈے سے بچے چھے ہفتوں میں نکل آتے ہیں۔ ایک جھول میں بہ مشکل بیس بچے نکلتے ہیں، کیوں کہ اس درمیان کتنے انڈے ٹوٹ جاتے ہیں یا چوری ہوجاتے ہیں۔

شتر مرغ کے بچے ہماری مرغیوں کے برابر ہوتے ہیں۔ ان کے جسم پر زردی مائل سفید روئیں ہوتے ہیں، جن پر کالی دھاریاں ہوتی ہیں۔ چھے مہینے میں بڑھ کر وہ والدین کے برابر ہوجاتے ہیں۔ شتر مرغ کی اوسط عمر پچیس سال ہوتی ہے۔

جوان شتر مرغ کا گوشت کھانے میں بہت لذیذ ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں روم کے شہنشاہ شتر مرغ کے بھیجے (مغز) بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ شتر مرغ کی کھال کے جوتے اور سوٹ کیس بنتے ہیں لیکن اس کے جسم کی سب سے قیمتی چیز اس کے بازوؤں اور دم کے سفید پر ہیں۔ نر کے پر زیادہ قیمتی ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ مادہ سے زیادہ خوش نما ہوتا ہے۔ پَر حاصل کرنے کے لیے شتر مرغ کا شکار زمانۂ قدیم سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ قدیم مصری لوگ انھیں زیبائش کے لیے استعمال کرتے تھے۔

پَر اور گوشت حاصل کرنے کے لیے ہر ممکنہ طریقے سے ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ لیکن چڑیا گھروں کے لیے زندہ گرفتار کرنے کے لیے جیپ میں بیٹھ کر اس کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ ایک آدمی موٹر کے اگلے حصے پر ایک لمبا بانس پکڑے بیٹھا رہتا ہے۔ بانس کے سرے پر پھندا ہوتا ہے جس میں وہ شتر مرغ کی گردن پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے ہی شتر مرغ اس میں پھنستا ہے، موٹر روک دی جاتی ہے اور سب لوگ جیپ سے کود کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کے قریب نہیں جاتے تاکہ کہیں وہ ایک آدھ لات رسید نہ کردے۔ پکڑنے کے بعد اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے اور جنگلے میں بند کردیا جاتا ہے۔

شتر مرغ کی نسل ختم ہونے کے خوف سے اب ہر جگہ فارم قائم کیے جارہے ہیں۔ سب سے پہلا فارم ۱۸۶۵ء میں کیپ کالونی جنوبی افریقہ میں قائم کیا گیا تھا۔ پالتو شتر مرغ کے پر جب وہ چھے مہینے کا ہوجاتا ہے تب کاٹے جاتے ہیں اور ہر ساتویں مہینے پر تراشے جاتے ہیں لیکن اچھے پَر چار سال کی عمر کے بعد ہی نکلتے ہیں۔ شتر مرغ کے ہر بازو سے تقریباً تیس اور دُم سے ساٹھ پر بیچنے کے لائق نکلتے ہیں۔

# اے پانی! اگر تو نہ ہوتا

روبینہ بنت فقیر محمد، کراچی

پیارے ساتھیو! آپ یقیناً اس وقت ہماری دماغی صحت پر شبہ کر رہے ہوں گے۔ حال آنکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مانا کہ زندگی کے لیے آبِ حیات (پانی) ضروری ہے لیکن اگر پانی نہ ہوتا تو؟ ہمارا خیال ہے آپ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد ہماری اس ذہنی کاوش کو سراہیں گے۔ ہم بھی سوچ رہے ہیں ؎

شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات

ویسے بھی آج کل تو ہمارے شہر کو پانی کی قلت کا سامنا ہے۔ مانا کہ پانی بندہ بشر کی ضرورت ہے، مگر صرف پیاس بجھانے کے لیے جن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا؟ چلیں آپ نہ سوچیں۔ ہم آپ کو سوچ کر بتاتے ہیں۔ پانی میسّر نہ ہونے کی وجہ سے فریج کھولتے ہی گلاب جامن دیکھ کر آپ کے منھ میں پانی نہیں آئے گا اور اس طرح آپ پکڑے جانے پر چھوٹے بہن بھائیوں کے سامنے پانی پانی ہونے سے بچ جائیں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ اکثر گلیوں کو پانی کا چھڑکاؤ کرکے دلدل بنا دیتے ہیں اور جب آپ اپنے بال سنوارتے اور قمیص کا کالر درست کرتے ہوئے گلی میں سے گزرتے ہیں تو اکثر زمین چاٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لوگ آپ سے متاثر ہوں گے کہ بچہ گلی میں سجدہ کر رہا ہے۔

پانی نہ ہونے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ گوالا جو عموماً پانی میں دودھ ملا دیتا ہے۔ جب پانی ہی نہ ہوگا تو وہ بے چارہ کیا کرے گا اور ظاہر ہے خالص دودھ پینے سے آپ کی صحت بھی خراب ہو جائے گی۔ اور ہاں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر پانی نہیں ہوگا تو جس وقت آپ بس میں سفر کرتے کرتے کسی بزرگوار کی گود میں پکے ہوئے آم کی طرح گر جائیں گے تو وہ آپ کو ہرگز چلّو بھر پانی میں ڈوبنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ کیوں کہ اس طرح آپ ان سے چلّو بھر پانی فراہم کرنے کی فرمائش کر سکتے ہیں۔ جب پانی پینے کے لیے ہی نہیں ہوگا تو وہ آپ کے ڈوبنے کے لیے پانی کا انتظام کہاں سے کریں گے۔

اور ہاں ایک فائدہ یہ ہوگا۔ ہمارے جو شاعر صاحبان اپنے محبوب کی یاد میں شعر کہہ کہہ کر صفحے کے صفحے کالے کر دیا کرتے ہیں پھر وہ پانی کی یاد میں ہچکیاں بھرا کریں گے اور اپنی راتیں کالی کریں گے۔ اس طرح ہمیں جدید اشعار سننے کو ملیں گے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

آج واں بالٹی و ڈول لیے جاتا ہوں میں
عذر میرے گھر نہ آنے کا وہ اب لائیں گے کیا

(غالب مرحوم سے معذرت کے ساتھ)

اگر پانی نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ سڑکوں، گلیوں اور نالیوں سے کیچڑ ناپید ہو جائے گی۔ اور اس طرح آپ کیچڑ اُچھالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اگر آپ غور کریں تو پتا چلے گا کہ اردو ادب کے کئی محاورے جو پانی ہی کی بدولت وجود میں آئے ہیں وہ صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائیں گے۔

پانی کے صاحب کنکشن بل کی ادائیگی سے بچ جائیں گے۔ اس سے ان کی بھی بچت ہوگی اور ان کے پیسے کی بھی، کیوں کہ

دو میل لمبی لائن دیکھ کر تو وہ یقیناً خرچ ہو جاتے ہوں گے۔ ارے ہاں جب پانی نہیں ہو گا تو یقیناً کسی تقریب میں بے تحاشا کھاتے ہوئے کوئی آپ کو درمیان میں پانی پینے کے لیے نہیں کہے گا۔

اب یقیناً ان تمام فوائد کو دیکھ کر وہ عقل مند لوگ بھی محکمۂ واٹر بورڈ سے اپنا پانی کا کنکشن منقطع کرنے کے لیے کہیں گے، جن کو پانی میسر ہے۔ اس طرح ٹیلے فون کے کنکشن لینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو گا، کیوں کہ فالتو وقت میں فون ہی کر لیا کریں گے۔

## اس میں کیا شک ہے

عبداللہ منصور عاقل، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ایک شکاری نے ایک توتا پکڑا۔ اس نے سوچا کہ اسے بولنا سکھاؤں۔ جب یہ باتیں کرنے لگے گا تو اسے اچھے داموں میں بیچ دوں گا۔ چناں چہ شکاری اسے گھر لے گیا اور باتیں کرنی سکھانے لگا۔ کافی عرصہ گزر گیا لیکن توتا اس سے زیادہ نہ بول سکا۔ "اس میں کیا شک ہے۔" شکاری روز بروز محنت کر کر کے تھک گیا لیکن توتا اس سے زیادہ نہ بول سکا۔ اس نے مزید محنت کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور سوچا کہ توتا جو جملہ بولتا ہے اس سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ توتے کو ایک خوب صورت پنجرے میں بند کر کے بازار لے گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر کہنے لگا: "ساتھیو! ادھر آئیے اور اس توتے پر توجہ فرمائیے۔" جب بہت سارے لوگ جمع ہو گئے تو شکاری نے کہا: "یہ توتا انمول ہے۔" توتے نے فوراً کہا، "اس میں کیا شک ہے۔" شکاری بولا، "ایسا توتا آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔" توتے نے فوراً کہا، "اس میں کیا شک ہے۔" ایک آدمی نے آگے بڑھ کر پوچھا، "اس توتے کا کیا لو گے؟" شکاری بولا، "پورے پچاس رُپے ہوں گے۔ یقین نہ آئے تو اس سے پوچھ لو۔ کیوں توتے! صحیح دام بتا رہا ہوں نا؟" توتا بولا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی کو توتے کی یہ بات بھا گئی۔ اور اس نے پچاس رپے دے کر اسے شکاری سے خرید لیا۔ وہ آدمی توتے کو گھر لے گیا۔ اس کی خوب خاطر مدارت کی۔ اس طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن اس نے توتے سے کہا، "اتنے دن گزر گئے تم نے ایک لفظ سے زیادہ کچھ نہیں بولا۔" توتا فوراً بولا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی بولا، "اس میں کیا شک ہے، اس میں کیا شک ہے۔ کیا تمھیں اس سے زیادہ نہیں آتا؟" توتا پھر بولا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی بولا، "کیا میرے پچاس رُپے بے کار گئے؟" توتا فوراً بولا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی بولا، "تو کیا مجھے دھوکا دیا گیا ہے؟" توتے نے جواب دیا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی بولا، "تو کیا تمھارا مالک دھوکے باز تھا۔" توتے نے کہا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی نے کہا، "تو کیا میں نے اپنے پیسے کھو دیے؟" توتا بولا، "اس میں کیا شک ہے۔" آدمی نے غصّے میں آ کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ توتا اس میں کیا شک ہے کہتا ہوا پھُر سے اڑ گیا۔

## ایک شعر

اُٹھ کر اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

# تحفہ

قرۃ العین، کراچی

ان دنوں بھائی سراج ہمیں کسی فرشتے سے کم نظر نہیں آتے تھے۔ ہماری ہر بات ماننا ان کا اوّلین فرض بن چکا تھا۔ ابّو جان نے انھیں ایک عدد موٹر سائکل خرید کر دی تھی۔ ایک دن میں ستر مرتبہ بازار بھیجتے تو جھٹ موٹر سائکل لے کر چل پڑتے۔ لیکن اس موٹر سائکل کی وجہ سے جتنی شرمندگی ہمیں اٹھانی پڑی، شاید ہی کسی نے اٹھائی ہو۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ میری سہیلی کہکشاں کی سالگرہ تھی۔ میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد تحفے کے لیے دو خوب صورت شیشے کے بنے، ہوئے گل دستوں کا انتخاب کیا۔ بڑی خوب صورتی کے ساتھ انھیں پیک کیا اور سراج بھائی کی موٹر سائکل پر سہیلی کے گھر روانہ ہو گئی۔

راستے میں سڑک بہت خراب تھی۔ ایک بار میں جھٹکے کی وجہ سے گرتے گرتے بچی۔ خیر اللہ اللہ کر کے میں سہیلی کے گھر پہنچ گئی۔ بڑی شان کے ساتھ اپنا تحفہ کہکشاں کو دے کر میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی، جس کے آس پاس دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

اچانک میری سہیلی کی چھوٹی بہن افشاں ضد کرنے لگی کہ میرا والا تحفہ کھول کر دکھائیں۔

اس کے کہنے پر میری سہیلی نے گل دان پر لپٹے ہوئے کاغذ کو اتارا تو میری آنکھوں کے سامنے ان گنت تارے جگمگانے لگے۔ دونوں گل دان دو حصّوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور میری سہیلی انھیں مسلسل گھور رہی تھی۔

میں نے اپنے ارد گرد دیکھا وہاں موجود سبھی لوگ میرے تحفے کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ شرم کے مارے میری آنکھیں زمین میں گڑ گئیں۔ مجھے رہ رہ کر بھائی جان پر اور ان کی پیاری موٹر سائکل پر غصہ آ رہا تھا جس پر بیٹھنے کی وجہ سے ہمارا پیارا پیارا تحفہ جھٹکوں سے اللہ کو پیارا ہو گیا اور خود ہم شرم سے زمین میں گڑ گئے۔

# سائنس اور جدید دور

محمد سہیل رعنا، کراچی

جدید دور سائنسی ایجادات کا دور ہے۔ سائنس نے ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔ کبھی جو فاصلے مہینوں میں طے ہوتے تھے وہ اب گھنٹوں میں طے ہونے لگے ہیں۔ سائنس نے ہماری سوچ کو اور ہمارے رہن سہن کے طریقوں کو بدل دیا ہے۔ سائنس نے ہماری زندگی کو آرام اور پُرلطف بنا دیا ہے۔ اس نے انسان کو خوشیاں حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔ دنیا میں ایک زبردست اور خوش گوار انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ سائنس نے بنجر زمین کو زرخیز اور سرسبز زمین میں بدل دیا ہے۔ اس نے زمین آسمان کے درمیان والی چیزوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس نے اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان، لنگڑوں کو ٹانگیں، گونگوں کو آواز اور کم زور دل لوگوں کو مضبوط دل مہیا کر دیا ہے۔

بجلی، روشنی، ہوائی جہاز، ہیلے کوپٹر، ٹیلے فون، ٹیلے وژن، واشنگ مشین، موٹر کار، موٹر سائکل، ریل گاڑی، چاند پر پہنچنے والے جہاز، پریشر کُکر، گھڑی، واٹر

کولر، ہیٹر، جیٹ جہاز، راکٹ، بجلی کے پنکھے، ٹیپ ریکارڈر، کیمرا، ٹرانسسٹر، ریڈیو، وائرلیس، ایکس ریز، تھرمامیٹر، پانی کے جہاز، ریڈار، روبوٹ، کمپیوٹر، ٹیلے گراف، کرینیں، چھپائی کی مشین اور ٹائپ رائٹر کے علاوہ بے شمار اشیاء سائنس ہی کی ایجاد ہیں جو ہمارے روزمرّہ کے استعمال میں آتی ہیں۔

سائنس کی ایجادات نے تعلیم، تجارت، طب، زراعت اور تعمیرات کے میدان میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ چھپائی کی مشینوں کی وجہ سے کتابیں جلد شائع ہوتی ہیں اور ان کی قیمت بھی مناسب ہوتی ہے۔ سائنس کی وجہ سے طب کے شعبے میں بھی خاصی ترقی ہوئی ہے۔ تعمیرات کے میدان میں بھی سائنس کی ایجادات کی وجہ سے بلند و بالا عمارتیں کم وقت میں بنائی جاسکتی ہیں۔

اس دور میں امریکا، روس، جاپان، چین، فرانس اور برطانیہ وغیرہ نے سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سائنس کی تعلیم عام کریں۔ کیوں کہ بغیر سائنس اور ٹکنالوجی کے ہمارا ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ ہمارے ملک کو بے شمار سائنس دانوں کی ضرورت ہے۔

## صبح کا بھولا

سجاد احمد، بورے والا

رات کے نو بج چکے تھے۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی بارش کے قطرے زمین کو مسلسل سیراب کررہے تھے۔ جمال دین اپنی سوچ میں گم ایک درخت کے نیچے کھڑا بارش کے بند ہونے کا انتظار کررہا تھا۔ جمال کی بیوی بخار کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھی۔ بارش کچھ کم ہوئی تو وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ڈاکٹر کی دکان پر پہنچا۔ وہاں ڈاکٹر نے اسے صاف انکار کردیا اور کہا کہ اب میں مزید اُدھار نہیں دے سکتا۔

جمال دین نے دکان سے باہر قدم رکھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیتے ہوئے دن گھومنے لگے۔ ایک دن وہ بھی سیٹھ جمال تھا۔ اس کے پاس دنیا کی ہر چیز تھی۔ اچھا کاروبار، بنگلا، مال و دولت، مگر اچانک ہی وقت بدل گیا۔ جمال سیٹھ سے ایک معمولی مزدور بن گیا۔

اچانک ہی وہ ماضی سے حال میں آگیا۔ اس نے سوچا کہ اگر میں اپنی بیوی کے علاج کے لیے کوئی انتظام نہ کرسکا تو میری بیوی..... نہیں نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور پھر وہ جلدی سے اپنے دوست کے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنی مشکل بتائی مگر کچھ نہ ہوسکا۔ وہ خالی ہاتھ واپس لوٹا۔ اب جمال بالکل مایوس ہوگیا تھا۔ وہ بہت ہی پریشانی کے عالم میں چلا جارہا تھا۔ بارش سے اس کے کپڑے بالکل بھیگ چکے تھے۔

اچانک کسی نے جمال کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رشید تھا جس کو وہ ہمیشہ سے حقارت سے دیکھتا تھا۔ اس وقت اچانک رشید کو دیکھ کر جمال کے آنسو نکل آئے۔ رشید نے بے قرار ہوکر اسے گلے لگالیا اور اس سے حالات کے بارے میں پوچھنے لگا۔ ساری کہانی سن کر اس نے کہا، "میں بھی

کافی عرصے سے بے روزگار ہوں۔ مزدوری کی تلاش میں ہوں۔ خیر تم یہاں ٹھیرو۔ میں ابھی پیسوں کا انتظام کر کے آتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد وہ کام یاب واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ رقم تھی۔ جمال نے اس سے پوچھا، "یہ رقم تم کہاں سے لائے ہو؟" رشید نے اس سے بڑی محبت سے کہا، "میرے دوست! میرے خون کے چند قطروں سے اگر تمھاری بیوی کے لیے دوا آجائے اور اس کی زندگی بچ جائے تو اس سے بڑی خوشی میرے لیے کیا ہو سکتی ہے؟" شرمندگی اور احسان سے جمال کی آنکھیں جھک گئیں۔

## پنسل کی کہانی

عسجد امام، کراچی

پنسل ہماری حقیقی دوست ہے۔ اس کی دوستی کا ثبوت یہ ہے کہ جب ہم لکھنا سیکھتے ہیں تو سب سے پہلے پنسل سے واسطہ پڑتا ہے اور اس طرح یہ ہمارے طالب علمی کے زمانے سے لے کر مختلف شعبوں میں یکساں طور پر کام آتی ہے۔

کیا آپ پنسل کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور کیسے بنا۔ پنسل دراصل یونانی لفظ پنیکولس سے بنا ہے جس کے معنی ہیں، "چھوٹی پونچھ"۔ ابتدا میں لفظ پنسل ایک قسم کی نوکیلے برش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن آج کی پنسل اس برش سے بالکل مختلف ہے۔

پنسل کا استعمال تقریباً ۲۰۰ سال پہلے شروع ہوا۔ لیکن ۵۰۰ سال پہلے کمبرلینڈ (انگلینڈ) کی ایک کان سے لوگوں نے گرے فائٹ کا پتا لگایا اور اس سے کچھ پنسلیں بنائی گئیں۔ لیکن پنسل بنانے میں بڑے پیمانے پر گرے فائٹ کا استعمال ۱۷۶۰ء میں جرمنی کے فیبر خاندان نے کیا۔ بہرحال انھیں پنسل بنانے میں زیادہ کام یابی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ۱۷۶۵ء میں این۔ جے۔ کونتے نام کے ایک شخص نے گرے فائٹ میں چکنی مٹی ملائی اور کام یاب پنسل بنائی۔

جن پنسلوں کو ہم لیڈ پنسل کہتے ہیں ان میں لیڈ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بھی گرے فائٹ سے ہی بنائی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے گرے فائٹ کو باریک کر لیا جاتا ہے، پھر اس میں مٹی میں ملا کر گوندھ لیا جاتا ہے اور مشین کے ذریعہ سے اس کی پتلی پتلی سلائیاں بنالی جاتی ہیں۔ ان سلائیوں کو بھٹی میں تپا لیا جاتا ہے جس سے وہ سخت ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد لکڑی کی ایک کھانچا بنائی ہوئی پٹی پر رکھ کر اس کے اوپر دوسری پٹی چپکا دی جاتی ہے۔ اب یہ کاٹ کر پالش کر دی جاتی ہے۔ جس پنسل کی سلائی جتنی نرم ہوگی اس کی لکھائی اتنی ہی اچھی ہوگی۔

دنیا میں آج کل الگ الگ کاموں کے لیے ۳۵۰ سے زیادہ قسموں کی پنسلیں بنائی جا رہی ہیں۔ اب تک تقریباً ۷۲ قسموں کی رنگین پنسلیں بنائی گئی ہیں۔ ایسی پنسلیں بھی بنائی جا رہی ہیں، جن سے شیشے، کپڑے، پلاسٹک اور فلموں وغیرہ پر لکھنے کا کام کیا جا سکتا ہے۔ ایک خاص قسم کی پنسل بھی بنائی گئی ہے جس کا لکھا برسوں تک بھی دھندلا نہیں ہو سکتا۔

پنسل طالب علمی کے زمانے کے علاوہ انجنیئروں، مصوّروں اور اکاؤنٹنٹ حضرات کے کاموں میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

## اُف ہمارا انجام

شازیہ فرحین، کراچی

ہمارے گھر میں بیماری کی آمد قریب تھی اور منّو میاں تو اس کا خیر مقدم کرنے کی تیاری میں خوب مصروف تھے۔ وہ اس کا پُرجوش استقبال کرنا چاہتے تھے اور ہمیں بھی بڑی محنت سے آمادہ کر رہے تھے کہ ہم بھی اس کے استقبال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

انھوں نے اپنی تیاری کا آغاز اسکول سے واپسی پر قلفی والے کی بکری کرانے کے ساتھ کیا اور ہمیں بھی مجبور کیا کہ ہم بھی اس کاوش میں ان کا بھرپور ساتھ دیں۔ امّی جان اور ابّو جان نے ان دِنوں قلفی اور بازار کی دوسری چیزیں کھانے سے منع کیا تھا۔ کیوں کہ آج کل انھی گندی چیزوں سے بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہماری نظروں کے سامنے کھوے والی قلفی جو رنگ برنگے کھوپرے کے چُورے میں لپٹی ہوئی تھی نظر آئی اور پھر ہماری نظروں کے سامنے منّو میاں کا اصرار کرتا ہوا چہرہ بھی آگیا۔ ہم نے کافی جبر کر کے وہاں سے ہٹ جانے کا فیصلہ کیا، لیکن منّو میاں فرمانے لگے کہ آج وہ ہمیں اپنے پیسوں سے قلفی کھلائیں گے۔ ہم نے جھٹ سے قلفی کھانے کی ہامی بھر لی۔ مگر منّو میاں نے قلفی کھلانے سے پہلے ہم سے ایک معاہدہ بھی طے کیا کہ یہ خبر گھر کے طول و عرض میں نہیں پھیلنی چاہیے۔ خیر اس معاہدے کے بعد ہم نے قلفی کھالی اور سیدھے گھر پہنچے۔

امّی جان نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو منّو میاں جھٹ سے بولے کہ بس کے انتظار میں دیر ہوگئی۔ خیر جناب چند گھنٹے تو سکون سے گزر گئے لیکن تھوڑی دیر بعد منّو میاں نے بیماری کے آنے کی خبر کا اعلان کھانسی کی صورت میں بگل بجا کر کیا۔ پھر ہماری باری تھی۔ ہم نے اور منّو میاں نے ۲۱ توپوں کی سلامی بھی کھانسی کی گھن گرج کے ساتھ دی۔ پھر ہماری اور منّو میاں کی کھانسی کی زوردار گھن گرج ہونے لگی۔ تماشائی بھی خاصی تعداد میں جمع ہو چکے تھے اور ڈاکٹر صاحب یعنی ہمارے اور منّو میاں کے مہان کے پکّے دشمن تشریف لا چکے تھے اور انھوں نے امّی جان کو بتایا کہ یہ سب بازار کی کوئی چیز کھانے کی وجہ سے ہوا ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ بھائی جان کا بھاری بھر کم ہاتھ ہمارے نازک کانوں پر تھا اور انھوں نے ہم سے دریافت کیا کہ سچ بتاؤ کیا کھایا تھا۔ اس وقت معاملہ اتنا سنگین تھا کہ ہم نے منّو میاں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو جھٹ سے توڑ ڈالا اور ساری کہانی بغیر سانس لیے بھائی جان کے گوش گزار کر دی۔

بس جناب پھر کیا تھا، بھائی جان کا بھاری بھر کم ہاتھ تو ہمارے کانوں سے ہٹ گیا لیکن ہر طرف سے ڈانٹوں کی گھن گرج ہماری سماعت سے ٹکرانے لگی اور دوسری طرف ہمارے مہمان کے ازلی دشمن یعنی ڈاکٹر صاحب اپنا انجکشن ہمارے بازو میں ٹھونس رہے تھے۔ تو جناب یہ تھا ہمارا انجام۔

# قارئین کی عدالت



• نونہال کو تین سال سے پڑھ رہی ہوں۔ بلاشبہ اس میں تعلیمی استعداد بڑھانے اور تربیت کو جلا بخشنے کا خاصا اہتمام کیا گیا ہوتا ہے۔ میرے لیے تو گویا یہ ایک خیر اندیش ساتھی سے کم نہیں۔

غزالہ سعید، میاں کوٹ

• نونہال میں اسلامی ممالک کا تعارف بھی شائع کیا کریں۔

شگفتہ پروین، کراچی

• میرا چھوٹا بھائی بڑے شوق سے آپ کا رسالہ پڑھتا ہے۔ میں بھی اس سے نونہال لے کر اکثر پڑھ لیتی ہوں۔ اس میں اچھی اچھی کہانیاں ہوتی ہیں۔ ہم گاؤں میں رہتے ہیں۔ جمیلا اختر، چک ۱۲۹/۱۵۰۔L

• یہ بہت اچھا اور معلوماتی رسالہ ہے۔ محمد شفیق، مورو

• نونہال جب میرے ہاتھ میں آتا ہے تو میں نونہال پڑھ کر ہر کام کرتی ہوں۔ شگفتہ جعفری، حیدر آباد

• نونہال مصوّر کا معیار اب روز بہ روز بڑھ رہا ہے۔

نبیلہ سعاد صدیقی، کراچی

• اس مہینے کا نونہال لاجواب تھا۔ مقصود عالم، کوٹری

• مجھے لبنان کی لوک کہانی سچ جھوٹ بہت پسند آئی۔

سید شفاعت علی، کراچی

• کہانی بھیجنے کا طریقہ بتا دیں؟ بزرجمہر، راول پنڈی

| |
|---|
| جو خط بھیجنے کا طریقہ ہے وہی کہانی بھیجنے کا ہے۔ |

• کیسا پیارا سرورق ہے۔ جاگو جگاؤ حکیم محمد سعید صاحب کا ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔ بے غرض نیکی، جناب طالب ہاشمی، تحفہ، کمپیوٹر کے کارنامے، علامہ دانش کے کارنامے، بزم ہمدرد نونہال، کوئل کا تحفہ سب کچھ بہت پسند آیا۔ حمیرا احمد انجم پروانہ، احسان احمد انجم، محمد اسلم جاوید، رضوان انجم، اوچ شریف

• نونہال میں تمام کہانیاں اچھی تھیں لیکن لطیفے وہی گھسے پٹے تھے۔ ذرا مزہ نہیں آیا۔ طاہرہ ناز، کراچی

• سب کہانیاں بہت پسند آئیں۔ عقیل احمد نثار، جھڈو

• خیال کے پھول اپنی مثال آپ تھے۔ شیریں پروین، کراچی

• بے غرض نیکی، تحفہ، کمپیوٹر کے کارنامے اور ۲۳ مارچ پر معلوماتی مضامین بہت دل چسپ تھے۔ عمران احمد شیخ، کراچی

• سرورق پر جو تصاویر ہوتی ہیں ان کے بارے میں ہر دفعہ بتایا کریں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو علم نہیں ہوتا۔

فیض رسول انجم، آہدی شریف

• جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ پڑھا تو مایوسی بالکل دور ہو گئی اور ایک نیا جذبہ دل میں پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ ابھی تک ہمدرد نونہال نقل شدہ تحریروں سے پاک نہیں ہوا۔

نرگس نواز، شہزور نواز، شہزاد نواز اور آصف ادریس، ٹنڈو جام

• یہ رسالہ ہر مہینے اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آتا ہے۔

محمد شاہد، کراچی

• مجیب ظفر انوار کی ہنستی مسکراتی تحریر "نھانا" بہت پسند آئی۔ انکل مارچ کے نونہال میں "نونہال مصوّر" میں تصویروں کا معیار فروری کی نسبت کچھ بہتر تھا لیکن اب بھی وہ پہلے والی بات نہیں ہے۔ سید عرفان، کراچی

• تقریباً پانچ سال سے نونہال بڑے شوق اور پابندی سے پڑھ رہا ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت ہی پسند ہے۔

محمد جنید ہارون لاکھانی، حیدر آباد

• نونہال ادیب کی کہانیاں بہت اچھی تھیں۔

سلمیٰ بانو، کراچی

• نونہال ادیب تلخ ہوتا جارہا ہے۔ اخبار نونہال میں چینی کم ہوتی ہے۔ اس بار سرورق زیادہ مزے دار نہیں تھا۔ اشتہارات پھیکے ہوتے ہیں۔ ریحانہ یاسمین، کراچی

• نونہال بڑا مفید رسالہ ہے۔ محمد اکرم، کراچی

• مارچ کا نونہال اپنے دیدہ زیب سرورق اور رنگارنگ کہانیوں اور تصاویر کے ساتھ پسند آیا۔ توبیہ اطہر، کراچی

• ہمدرد نونہال سارے پاکستان میں چھپنے والے بچوں کے رسائل میں نمایاں ہے، بلکہ ان سب کا واضح طور پر نمائندہ بھی ہے۔ اسے تو آپ بچوں کے رسالے کا پاکستانی سفیر بنا کر باہر کے ممالک میں متعارف کرائیں۔ یہ بیک وقت کمپیوٹر بھی ہے اور انسائیکلوپیڈیا بھی ہے۔ محمد اکرم سیالوی، ننکانہ صاحب

• میں مسلسل چار سال سے ہمدرد نونہال پڑھ رہی ہوں اور اس عرصے میں میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

اجمل سلطانہ، کراچی

• پہلی بات اور کوٹل کا تحفہ بہت پسند آئی۔

عقیلہ اختر، ٹنڈو جام

• پہلے کہانیاں بہت اچھی ہوا کرتی تھیں لیکن آج کل کچھ اچھی نہیں ہیں۔ لطیفے بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔

محمودہ عباسی، کراچی

• پہلے تو میں کبھی کبھار نونہال خریدتی تھی، مگر اب باقاعدگی سے خریدتی ہوں۔ شازیہ ظفر، فیصل آباد

• نونہال ہمارے لیے ہر مہینے نئی نئی اور اچھی باتیں لے کر آتا ہے۔ نعیم یوسف، کراچی

• سچ جھوٹ زبیدہ عنبرین کی تحریر کردہ کہانی بہت ہی اچھی تھی۔ لطیفے مزے دار تھے۔ تحفے میں ایک سے بڑھ کر ایک تحریر تھی۔ اور طالب ہاشمی کا مضمون بے غرض نیکی عمدہ تحریر تھی۔

نوشاد مہند، جام شورو

• آپ نے قسم تو نہیں کھائی کہ آپ شاہدہ کے خط شائع نہیں کریں گے؟ شاہدہ فیروز، کراچی

• انکل مجھے بتائیں کہ میں قارئین کی عدالت میں کس طرح شریک ہو سکتا ہوں۔ یہ رسالہ مجھے بہت پسند ہے۔ اگر میں کوئی چیز بھیجوں تو کیا وہ شائع کر دی جائے گی۔ نیز وہ چیزیں کیسے بھیجوں۔ ایک لفافے میں کتنی چیزیں بھیج سکتا ہوں۔ محمد صدیق اعوان، لاہور

جیسے یہ خط بھیجا ہے۔ ایک لفافے میں الگ الگ کاغذ پر کئی چیزیں بھیجی جا سکتی ہیں۔

• سرورق نہایت حسین تھا۔ جاگو جگاؤ میں ایمان افروز باتیں پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ نونہال ادیب میں اللہ پر بھروسا، خدمتِ خلق اور دانش مند احمق بہت پسند آئے۔

قرۃ العین طاہر، راول پنڈی

• اس بار لطیفے بھی مزے دار تھے۔ خرم نثار، کراچی

• اس میں سب کہانیاں، نظمیں، تحفے، خیال کے پھول، لطیفے، جاگو جگاؤ، پہلی بات سب باتیں سبق آموز تھیں۔ محمد اختر کھوکھر، عصمت اللہ کھوکھر، محمد صفدر کھوکھر، سیف اللہ کھوکھر، محمد منور کھوکھر، فیض اللہ کھوکھر، اعجاز احمد کھوکھر، محمد اکمل کھوکھر، محمد ظفر کھوکھر، اور محمد اجمل کھوکھر، بستی رائیں کامل کوکھر۔

• آپ نظموں کا تھیلا اگر جلد دُبلا کرنا چاہتے ہیں تو آپ ایسا کریں کہ اس دفعہ جو خاص نمبر شائع کریں اُس کے ساتھ تحفۃً ایک کتاب رکھ دیں جس کا نام یا تو "ننھے شاعروں کی عدالت" رکھ دیں یا پھر "نظموں کی عدالت" رکھ دیں۔ طاہر محمود غزالی، جہلم

آپ کی تجویز قارئین کی عدالت میں پیش ہے۔

• طالب ہاشمی کی "بے غرض نیکی" بہت ہی پسند آئی۔ لطیفے بھی خاصے چٹ پٹے تھے۔ بہادر شیر اکندر بالوی، کھلابٹ ٹاؤن شپ

• مسعود احمد چیمہ کی کہانی بدھو کے کارنامے بہت زیادہ پسند آئی۔ محمد صابر محمود، ہوسڑی

• خوش بُو سے مہکتا نونہال ہاتھ آیا۔ ایک ہی دن میں چٹ کر گئی۔ روزینہ علی، کراچی

• خاص نمبر میں لڑکیوں کے لیے کوئی اہم چیز ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی الف لیلوی کہانی بھی ہو تو اچھا ہے۔ نونہال ادیبوں کی زیادہ سے زیادہ کہانیاں ہوں۔

ریحانہ سجاد انصاری، لاڑکانہ

● اس دفعہ بدھومیاں کے کارنامے اور کوٹل کا تحفہ بہت پسند آئیں۔ محمد حبیب بلتستانی، کراچی

● بدھومیاں کے کارنامے پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔

محمد ظفر صدیقی، روہڑی

● ۲۳۔ مارچ کی تحریروں میں راحت بشارت حسین کی تحریر نہایت اچھی تھی۔ شبسم کنول، کراچی

● اس میں وہ سب خوبیاں ہیں جو ایک رسالے میں ہونی چاہییں۔ محمد سلیم شہزاد، پسنی مکران

● دانا حاکم (جاوید عبدالکریم) ماہ نامہ ساتھی میں پہلے بھی شائع ہو چکی ہے۔ لبنیٰ رحمان، کراچی

● کہانیوں میں کوٹل کا تحفہ، علامہ دانش کے سفرنامے اور بدھومیاں کے کارنامے بے حد پسند آئے۔

حیات اللہ، حسن ابدال

● کہانیوں میں بدھومیاں کے کارنامے، علامہ دانش کے سفرنامے اور نظم پھول کی تباہی بہت اچھی تھیں۔

ملک جاوید اقبال، ڈہوک مٹکال

● صحت مند نونہال میں اپنے بھائی کی تصویر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ عبدالصمد صابری، چمن

● کمپیوٹر کے کارنامے سے ہماری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ مرزا ریاض حسین، کراچی

● کہانیوں میں بدھومیاں کے کارنامے اور خزانے کی تلاش بہت اچھی تھیں۔ گانے کی تھیلی کہانی نقل شدہ ہے۔

وقاص عزیز شیخ، فیصل آباد

● محمد علی جناح اور پھول کی تباہی اچھی نظمیں تھیں۔ بے غرض نیکی پڑھ کر دل پر بڑا اثر ہوا۔ اب نونہال جو بڑوں کے صفحے پر لکھنے لگے ہیں۔ زیادہ تر پرانی کہانیاں لکھتے ہیں۔ سچ جھوٹ، کوٹل کا گیت بدھو کے کارنامے اچھی کہانیاں تھیں۔ عجیب ظفر انوار کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ لکھتے وقت ان کا دماغ کہیں اور ہوتا ہے، کیوں کہ ایک ہی کہانی میں ایک جگہ سخت سردی پڑنے لگی تو تھوڑی دیر بعد گرمی نے ان کا بُرا حال کر دیا۔ حفصہ خانم، کراچی

ہمدرد نونہال، مئی ۱۹۸۸ء

● مارچ کا شمارہ خاص شمارہ نہیں تھا۔ کچھ کہانیاں بالکل پور تھیں۔ مسکراتے رہو اس بار بھی اچھے تھے۔

ستار رمضان مغل، حیدرآباد

● مارچ ۸۸ء کا شمارہ پڑھ کر بے اختیار قلم اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ کیوں کہ پورے شمارے پر جناب معراج اور جناب مجیب ظفر انوار چھائے ہوئے ہیں۔ عالم گنڈو کھوکھر، لطیف آباد

● لطیفے بہت مزے دار تھے اور بالکل نئے تھے۔ جاگو جگاؤ تو بہت اثر کرنے والا مضمون تھا۔ محمد غازی خان، کوٹری

● لطیفے بہت چٹ پٹے تھے۔

نجمہ شاہین اور عمران، کراچی

● مارچ کے نونہال میں دانا حکیم، سچ جھوٹ اور گانے کی تھیلی بہت پسند آئیں۔ محمد اصغر ساجد، جیوانی

● جاگو جگاؤ میرا پسندیدہ صفحہ ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہمیں حکیم صاحب ایک بہت ہی قیمتی نصیحت کر گئے۔

صلاح الدین عباسی، سکھر

● تمام تحریریں اپنی مثال آپ تھیں۔ صفیہ ہاشم، کراچی

● میں نونہال ادیب بہت دل چسپی سے پڑھتا ہوں۔

معدود احمد اور فہیم احمد، حیدرآباد

● جاگو جگاؤ اور پہلی بات ہمیشہ کی طرف سبق آموز تھے۔ خیال کے پھول بھی اچھے تھے۔ کہانیوں میں بدھومیاں کے کارنامے خزانے کی تلاش (معراج) دانا حاکم، سچ جھوٹ اور گانے کی تھیلی اچھی تھیں۔ نظموں میں پھولوں کی تباہی اچھی نظم تھی۔ لطیفے معیاری تھے۔ نونہال ادیب میں نظم آؤ بن جائیں تارے (طاہر محمود، جہلم) اردو کی دوسری جماعت کی کتاب سے نقل شدہ تھی۔

الماس محبوب، کراچی

● خاص نمبر ماہ اگست میں نکالیں تو بہتر رہے گا۔

عبدالعزیز چندریگر، حیدرآباد

● مارچ کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ پرویز اقبال، کراچی

● مارچ کا رسالہ بھی اپنی سابقہ روایات کے مطابق دوسرے رسائل سے منفرد اور نرالے دار تھا۔ خلیل احمد ہوت، کراچی

• اس بار ہمدرد نونہال کے سرورق پر دو عنوان "ہمدرد نونہال" اور نونہالانِ پاکستان دنیا کے لیڈروں کو امن کا پیغام دیتے ہیں" دیکھے۔ دل خوش ہو گیا کہ امن کے چاہنے والے لوگوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ جاگو جگاؤ پڑھ کر دل مسرور ہوا۔

نعیم احمد، کراچی

• کہانیاں اور لطیفے بہت اچھے تھے اور ان سب سے اچھا تو جاگو جگاؤ تھا جس کو پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

لیاقت علی، حیدر آباد

• سرورق خوب صورت تھا۔ اس بار کہانیاں بہت پسند آئیں۔ نونہال ادیب میں کہانی "لاپروائی" بہت پسند آئی۔ نظم "پھول کی تباہی" اور مضمون "کمپیوٹر کے کارنامے" بہت پسند آیا۔

فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر

• مجھے ایک لفظ "گھن گرج" کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

خرم معراج، پیرانا سکھر

آپ نے بجلی کی کڑک سُنی ہوگی، بس اسی کو گھن گرج کہتے ہیں۔

• مارچ ۸۸ء کا شمارہ لاجواب تھا۔ اس میں بے حد مزے دار اور آسان فہم کہانیاں تھیں۔ تمام کہانیوں میں جناب مجیب ظفر انوار کی کہانی نہانا سبقت لے گئی۔ نیلم حنا کنول، کراچی

• نونہال واحد رسالہ ہے جو ملک میں نونہالوں کی اُمنگوں کا آئینہ دار ہے۔ سید محمد علی رضوی، لطیف آباد

• تازہ شمارے میں معلوماتی مضمون، کمپیوٹر کے کارنامے، بہترین کاوش ہے بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں کوٹل کا تحفہ اور داناحاکم قابلِ تعریف ہیں۔ اس کے علاوہ ہنستی مسکراتی تحریر نہانا بھی پسند آئی۔ لطائف اور نظمیں بھی حسبِ سابق پُرلطف تھیں۔

محمد حسن رضا گوندل منڈی بہاؤالدین

• سرورق دیکھا تو دل بے حد اُداس ہو گیا۔ اُداسی کی وجہ یہ تھی کہ نو جنوری کی دل کش تقریب میں شرکت نہ کر سکی۔ تقریب کی رُوداد اور تصویریں دیکھ کر بہت جی خوش ہوا۔ عنبرین نور محمد، کراچی

• مجیب ظفر انوار کی مسکراتی تحریر (نہانا)، کوٹل کا تحفہ (معراج) اور کمپیوٹر کے کارنامے پسند آئے۔ وقار احمد تربیلوی، تربیلہ ٹاؤن شپ



مُسکراتے رہو کے ساتھ آج کل فوٹو والے کارٹون بڑے ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ ہنسنے کو دل کیسے چاہے گا!

عمر خطاب خان، اورنگی ٹاؤن

• نونہال ادیب میں پارس، عقل مند کون، چڑ بجا ہے یا بے جا اور سب سے اچھی کہانی "لاپروائی" تھی۔ مضامین میں کمپیوٹر کے کارنامے بہت ہی معلوماتی اور دل چسپ تھا۔

جاوید اقبال سہتہ، رانی پور

• کہانی "راز کی بات" نقل شدہ ہے۔ سلمان محمود، ژوب

• جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ نصیحت آموز تھا۔ خاص طور پر طالبِ علموں کے لیے جو بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔

نعیم اختر، کراچی

• نونہال ادیب اور دوسری تمام تحریریں مجھے بے حد پسند آئیں۔ سعید محمد اختر ترنڈہ، سوائے خاں

• خاص طور سے تحفے اور بے غرض نیکی بہت پسند آئی۔

شازیہ فردوس، کراچی

• اس مرتبہ کا سرورق بہت ہی بھلا تھا۔ خیال کے پھول پسند آئے۔ کہانیوں میں داناحاکم، سچ جھوٹ اور بدھومیاں کے کارنامے بہت پسند آئیں۔ کنور رضا قائم خانی، نواب شاہ

• داناحاکم، کوٹل کا تحفہ اور سچ جھوٹ قابلِ تعریف تھیں۔

سلیم اللہ شریف، منڈی بہاء الدین

• تصویروں کا معیار اب بہتر ہو گیا ہے۔ مشیر صدیقی صاحب بڑی محنت سے تصاویر بناتے ہیں۔ نظمیں اچھی تھیں۔ نونہال ادیب بہترین تھا۔ لطیفے مزے دار تھے۔ ادیبہ فریال انصاری اور فریحہ رخشندہ انصاری، سعود آباد، کراچی

• سچ جھوٹ، گانے کی تھیلی، کوٹل کا تحفہ اور علامہ دانش کے سفرنامے بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ فہیم احمد، جھڈو

• مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ بابر خان، کراچی

• قارئین کی عدالت میں اپنا اور باجی کا نام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ شمائلہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خان

• اس ماہ کا رسالہ اچھا تھا۔ نائلہ رفیق مغل، کراچی

● خیال کے پھول اور تحفے بہت اچھے سلسلے ہیں۔

زرینہ انصاری، سنجیدہ انصاری، بشریٰ انصاری، صدف انصاری اور حِبا انصاری، سعود آباد، کراچی

● ٹائیٹل پسندیدگی کے قابل تھا۔ مارچ کا شمارہ انتہائی بہترین اور عمدہ تھا۔ کمپیوٹر کے کارنامے ہم میں جوش و جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کو کافی تھا۔ "پھول کی تباہی" ایک اچھی کاوش تھی۔

گل شیر علی سنی، باڑہ گیٹ پشاور صدر

● خیال کے پھول نے معمول کے مطابق اپنی جگہ بہت سبق دیا۔ جاگو جگاؤ محترم حکیم محمد سعید صاحب کا پڑھ کر دل میں روشنی اُترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کہانیوں میں کوٹل کا تحفہ جناب معراج صاحب، دانا حاکم اور سچ جھوٹ بہت اچھی رہیں۔

عبدالرزاق ندیم، نئی کراچی

● ہر ماہ کے نونہال میں کمپیوٹر جیسی معلومات ہونی چاہییں۔ نظمیں بہت اچھی تھیں۔ نونہال ادیب میں حمد اور نعت بہت پسند آئیں۔ لطیفے بہت اچھے تھے۔ راجا دقاص حیدر، ٹنڈو جان محمد

● مجھے مارچ کا شمارہ بہت اچھا لگا۔

سید عمران احمد، کورنگی

● سچ جھوٹ کہانی نے ہمیں وہ سبق سکھایا ہے کہ ہم ان شاء اللہ کبھی نہ بھولیں گے۔ نیک محمد اور محمد اشرف، خیرپلوہ میرس

● لطیفے سب پرانے تھے۔ حبیب رحمانی، کراچی

● مارچ ۸۸ء کا نونہال نور اور روشنیاں بکھیرتا ہوا ہمارے گھر کی دہلیز پار کرنے کے بعد میرے ہاتھوں میں آیا اور بہت ہی پسند آیا۔ سعید علی محمد، ٹنڈوالہ یار

● اس مرتبہ سب کہانیاں اتنی بہترین تھیں کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہا۔ (نظم) "پھول کی تباہی" نے خاص طور پر دل میں جگہ بنائی۔ جاگو جگاؤ کی تعریف کرنے کے لیے تو بے حد محنت کی ضرورت ہے، کیوں کہ معمولی تعریف جاگو جگاؤ کی توہین ہے۔ سرورق پر سُرخی جمانا بالکل پسند نہیں آیا گو کہ بات پسندیدہ تھی۔ "علامہ دانش کے سفرنامے" فضول ہوتے جارہے ہیں، کچھ دھیان دینا چاہیے۔ کامران بلوچ منم، اوکاڑہ

● فروری کا نونہال بہت پسند آیا۔ خالد قاضی، خضدار

● سرورق پر نظر ڈالی تو منھ سے ایک دم ماشاء اللہ نکلا، کیوں کہ سرورق تھا ہی اتنا خوب صورت۔ جاگو جگاؤ نصیحت آمیز تھا۔ پہلی بات حسبِ معمول دل چسپ تھی۔ کہانیوں میں ۲۳۔ مارچ، دانا حاکم، کوٹل کا تحفہ، نہانا، بدھو میاں کے کارنامے اور علامہ دانش کے سفرنامے کے خزانے کی تلاش بہت اچھی تھیں۔ نظمیں اور لطائف بھی معیاری تھے۔ ریاض احمد، جھڈو

● آپ کا پیارا اور رنگارنگ رسالہ نونہال میں ہی نہیں بلکہ میرے گھر والے اور میرے دوست بھی اس کو خوب پسند کرتے ہیں۔ اللہ ڈنو، پڈعیدن

● نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ نام نامعلوم

● ٹائٹیل بھی خوب تھا۔ معلوماتی مضمون کمپیوٹر کے کارنامے دل چسپ تھا۔ کہانیوں میں ٹاپ پر معراج صاحب کی کہانی کوٹل کا تحفہ تھی۔ علامہ دانش کے سفرنامے بھی خوب رہا۔ اس کے علاوہ دانا حاکم (جاوید عبدالکریم) کی کہانی بھی اچھی تھی جب کہ گانے کی تھیلی (محمد علی بابر) کہانی اچھی نہیں تھی۔ اس کے برعکس سچ جھوٹ (زبیدہ عنبرین) کی کہانی پھر بھی کچھ تھی۔ نہانا (مجیب ظفر انوار) بہت دل چسپ تھا۔ حافظ راحیل احمد قیصر، احمد پور شرقیہ

● اس مرتبہ نونہال پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔

ساجد احمد کٹپر، نٹوں دیرو

● نونہال ہمیں بے حد پسند ہے۔

سید صبغت اللہ جیلانی، کمبر علی خان سندھ

● بزمِ ہمدرد نونہال کی تقریب کی رُوداد پُر زور تھی۔ نونہال ادیب کی سب کہانیاں مزے دار تھیں۔ واجد علی زرگر

● تمام نظمیں، کہانیاں، معلومات سب کچھ خوب تھا۔

حافظ محمد جاوید اقبال عباسی، احمد پور شرقیہ

● جتنا متاثر مجھے نونہال نے کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔

مظفر علی عمرانی، ہوسٹری

● اس ماہ کے رسالے میں ہر تحریر لاجواب تھی۔

سید محمد ثنا اللہ شاہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ

# آج کا نونہال - کل کا دانشور

## اسے تیار کیجیے کہ فکر و شعور کا اُجالا کر سکے

قوموں کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے اس کے دانش ور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ ننھا منّا بچہ وطنِ عزیز کے روشن مستقبل کا امین ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس میں ایک بڑی شخصیت پوشیدہ ہے... ہو سکتا ہے کل یہ ایک دانشور کی حیثیت سے ملک و ملّت کے لیے مشعلِ راہ بنے۔

اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور شخصیت کو نکھارنے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس ذمّہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کیجیے۔ اپنے بچے کی پرورش نہایت محنت، محبت اور توجہ سے کیجیے تاکہ کل یہ ایک مضبوط و توانا جسم، بہتر تعلیم اور صحت مند ذہن کے ساتھ وطنِ عزیز میں فکر و شعور کا اجالا کر سکے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی، پیاس کی شدّت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔




# نونہال

ہربل گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے۔

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

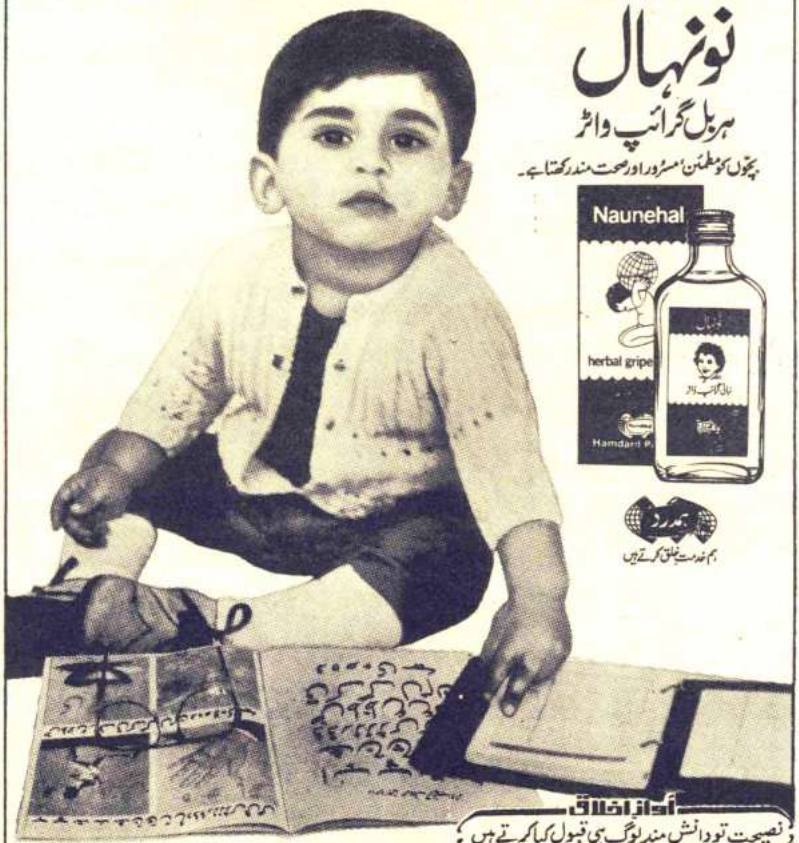

ادارۂ اخلاق

نصیحت تو دانش مند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں

Adarts 2/84

# معلومات عامہ کے جوابات

## سلسلہ ۲۶۳

ان جوابات کو غور سے پڑھیے۔ جو نونہال جوابات نہیں بھیجتے یا جن کے جوابات صحیح نہیں نکلتے ان کو بھی چاہیے کہ جوابات کو غور سے پڑھا کریں۔ معلومات بڑے کام کی چیز ہے۔ معلومات رکھنے والا انسان ہمیشہ فائدے میں رہتا ہے۔ کسی چیز کو مشکل نہ سمجھیے۔ کوشش سے ہر بات معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۔ اسلامی تاریخ میں سلطنتِ ترکی کو سلطنتِ عثمانیہ کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد عثمان ابن ارتغرل نے ڈالی تھی جسے عثمانِ اوّل بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت اویس قرنیؓ یمن کے رہنے والے تھے۔

۳۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار سلطان ابراہیم لودھی نے بنوایا تھا۔

۴۔ اسلامی دور میں پہلا ہسپتال سنہ ۷۰۷ء/ سنہ ۸۸ ہجری میں ولید بن عبدالملک اموی کے عہد میں دمشق میں قائم ہوا تھا۔

۵۔ مغل بادشاہ بابر کی وفات کے بعد نصیر الدین محمد ہمایوں کا سکّہ ملک میں جاری ہوا۔

۶۔ ایلی فینٹا نام کا ایک جزیرہ براعظم ایشیا میں ہندستان کے شہر بمبئی کے ساتھ واقع ہے۔

۷۔ اردو کے مرثیہ گو شاعر میر انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے تھے۔

۸۔ حضرموت نام کا علاقہ یمن کے مشرق میں واقع ہے۔ آج کل یہ علاقہ جمہوریہ جنوبی یمن کا حصّہ ہے۔

۹۔ البانیہ یورپ میں واقع ہے۔ اس ملک کی نوّے فی صد آبادی مسلمان ہے۔

۱۰۔ جینوا (GENEVA) تو سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت کا نام ہے اور جینوآ (GENOA) اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے۔

# دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

**سانگھڑ**
ذوالفقار حیدر
ریاض الدین امر

غلام رسول پارس
محمد امین سیف الملوک

**نواب شاہ**
سکینہ امیر علی
یاسین رجب علی

محسن رجب علی
مریم ارشاد
شبیر حسن رجب علی

# نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

**کراچی**
سید نظیر مصطفیٰ جعفری جارچوی
سید سجاد مہدی جارچوی
حسن مہدی خراسانی

**سانگھڑ**
عمر ندیم یوسف زئی
عبدالحمید یوسف زئی
عابد حسین رندھاوا

محمد امین سیف الملوک
محمد یونس ستی
غلام رسول پارس
غلام نبی منصوری

**حیدر آباد**
سلمان گل خاں خٹک
سید علی ابرار
محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

# آٹھ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

**کراچی**
سید کبیر شاہ
لئیق احمد
نگہت نواب

فارعہ نسیم
محمد علی جوکھیو
ندیم حسین پرواز
شمیم اختر

سید عقیق احمد
سید سبط عارف نقوی
شازیہ نسیم
عشرت نواب

**لاہور**
کلثوم علاؤالدین

# وقت

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر چیز دے رکھی ہے۔ خوب صورت جسم، چہرہ، آنکھیں، کان اور عقل۔ ان سے کام لینا تمھارا فرض ہے۔ انسان خود چاہے تو اپنی حالت بدل سکتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں سے کام لو۔ بے کار کاموں میں وقت ضائع نہ کرو ورنہ ہمیشہ پچھتاؤ گے، کیوں کہ کمان سے نکلا تیر اور گزرا وقت واپس نہیں آتا۔

مرسلہ: انفصال احمد، اسلام آباد

# اس شمارے کے مشکل الفاظ

پروان چڑھنا : پَرْ وَا نْ چڑھنا : پورا ہونا، کمال کو پہنچنا، بڑا ہونا۔

ملنسار : مِلَن سَا رْ : ہر ایک سے ملنے والا، اچھے اخلاق والا۔

آگے کنواں پیچھے کھائی : آگے کنواں پِی چھے کھائی : کام کرنے میں بھی خرابی اور نہ کرنے میں بھی خرابی۔

استحصال : اِسْ تِحْ صَا لْ : حاصل کرنا، حاصل کرنے کی خواہش۔

سایہ افگن : سَا یَا اَفْ گَنْ : سایہ ڈالنے والا۔

لاؤلشکر : لَاؤ لَشْ کَرْ : لشکر اور اس کے ساتھی، آدمیوں کا ہجوم، جھنڈا۔

وسیلہ : وَ سِی لَا : سبب، ذریعہ، سہارا، طفیل، دست گیری، حمایت۔

رفوچکر ہونا : رَ فُو چَکْ کَرْ : چل دینا، بھاگ جانا۔

نگہبانی، نگاہ بانی : نِ گَاہْ بَا نی : حراست، نگرانی، حفاظت، نگہداشت۔

کسیلا : کَ سِے لَا : بدمزہ۔

کسیلا : کَ سی لا : مضبوط، مستحکم۔

مستقیم : مُسْ تَ قِیْم : سیدھا، دُرست، مضبوط۔

گشت : گَشْ تْ : پھرنا، سیر

تقاضا : تَ قَا ضَا : خواہش کرنا، قرض کا تقاضا کرنا،

احتراز : اِحْ تِ رَا زْ : بچنا، پرہیز کرنا، پرہیز، کنارہ کشی۔

احیا : اِحْ یَا : زندہ کرنا، جان ڈالنا۔

معیوب : مَعْ یُو بْ : عیب دار، بُرا، عیبی، نکما، قابلِ شرم۔

افروز : اَف رُو زْ : روشن کرنے والا۔

انگشت بدنداں : اَنگُشْت بَدَن داں : حیرت سے دانتوں تلے انگلی دبا لینا۔

طیبہ : طَے بَا : مدینے کا نام۔

طَیّبہ : طَیِ یِبَا : پاک، طیب کا مونث۔

مملو : مَمْ لُو : پُر، بھرا ہوا، لبریز۔

مژدہ : مُ ژْ دَ ہ : خوش خبری، بشارت۔

فتور : فُ تُو رْ : اعصابی سُستی، کسی کام میں سُستی کرنا، کم زوری، خرابی، شرارت، فساد۔

محسن : مُحْ سِنْ : احسان کرنے والا، بھلائی کرنے والا، سخی، فیاض، مددگار، سرپرست۔

نابود : نَا بُو دْ : نیست، فانی، ناپید، جو مٹ جائے، معدوم۔

ازلی : اَ زَ لی : شروع سے موجود۔

# نونہالانِ وطن کی تن درستی کا ایک اور نکتہ!

اچھی صحت کا ایک نکتہ یہ ہے کہ مسوڑھے صحت مند ہوں تاکہ دانت مضبوط ہوں۔
دانت صاف ہوں تاکہ وہ موتیوں کی طرح چمکیں۔

تن درستی کا ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ہر دن صبح اٹھتے ہی اور ہر رات سونے سے پہلے
نونہال ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کریں۔

سونف، پودینہ سے بنا ہوا، اور گلِ آب میں بسا ہوا۔

**ہمدرد**
**نونہال ٹوتھ پیسٹ**
نازک دانتوں کے لیے نازک ٹوتھ پیسٹ

انسان دوست، جہاں دوست
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

مئی ۱۹۸۸ ہمدرد نونہال رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹